درس حدیث

محمد اظہر مدنی

جمعہ کی فضیلت اور اس کا اہتمام

عن أبی هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:''من توضأ فأحسن الوضوء ثم أتى الجمعة فاستمع و أنصت غفر له ما بينه و بين الجمعة و زيادة ثلاثة أيام و من مس الحصى فقد لغا''رواہ مسلم(۸۵۷)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''جو شخص اچھی طرح وضو کرکے جمعہ کی نماز کے لئے حاضر ہوا، غور سے خطبۂ جمعہ کو سنا اور خاموش رہا تو اس کے اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک کے گناہ معاف کردیئے گئے اور مزید تین دنوں کے گناہ بھی اور جس نے کنکری کو چھوا تو اس نے لغو کام کیا۔

تشریح: اسلام میں جمعہ کے دن اور جمعہ کی نماز کا بہت زیادہ اہتمام کرنے کی تاکید ہے۔متعدد احادیث نبویہ سے اس تاکید کا علم ہوتا ہے۔ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کو امت محمدیہ کے لئے اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام قرار دیا ہے، ایک دوسری حدیث میں اس دن کو ہفتہ کی عید کہا گیا ہے۔ان تمام فضائل اور انعام واکرام کا سبب وہ بے پایاں اجر وثواب ہے جو اس دن کا مطلوبہ اہتمام کرنے والے، اس دن کی نماز کو حکم نبوی کے مطابق ادا کرنے والے اور اس دن قبولیت دعا کی خصوصی ساعت کی تلاش وجستجو میں رہنے والے کے حصہ میں آتا ہے۔

جس حدیث نبوی سے اس درس کا آغاز کیا گیا ہے اس سے بھی صاف طور پر وضاحت ہوجاتی ہے کہ ایک مومن کو جو رب کی رضا وخوشنودی کا متلاشی ہو، نہا دھوکر سب سے پہلے اچھی طرح وضو کرنا چاہئے، پھر اسے نماز جمعہ کے لئے اولین ساعتوں میں مسجد کا رخ کرنا چاہئے۔مسجد کے اندر سکون ووقار کے ساتھ اپنی جگہ بیٹھنا چاہئے اور امام کے خطبہ کو خاموش رہ کر بغور سننا چاہئے، اس درمیان اگر اسے آس پاس کوئی کنکری یا تنکا بھی نظر آتا ہو تو اسے ادھر ادھر ہٹانے یا اس سے کھیلنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اس کی وجہ سے خطبۂ جمعہ کو سننے کے انہماک میں خلل واقع ہوگا جسے شریعت نے ناپسند کیا ہے، جو شخص نماز جمعہ اور خطبہ جمعہ کا اس حد تک اہتمام کرنے میں کامیاب ہوگیا اس کے لئے دل کو مطمئن اور خوش کرنے والی بشارت بھی ہے کہ اس اہتمام کی وجہ سے اس کے تقریبا دس دنوں کے گناہ معاف ہوجائیں گے۔

رب تعالیٰ کی رحمت بندہ کی مغفرت کے بہانے ڈھونڈتی ہے۔احادیث نبویہ میں سینکڑوں کی تعداد میں ایسے چھوٹے بڑے اعمال کی نشاندہی کی گئی ہے جو مومن کے گناہوں کی معافی اور اس کی بلندئ درجات کا سبب بنتے ہیں۔ہم سب اپنے اپنے احوال ومعمولات سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ ہم سے دن رات کس قدر گناہ سرزد ہوتے ہیں۔اگر ان لامتناہی گناہوں کی معافی کا رب تعالیٰ کی طرف سے کوئی انتظام نہ ہوتو سوچئے ہم لوگ گناہوں کے دلدل میں کس قدر دھنستے چلے جائیں گے اور ان لاتعداد گناہوں کی وجہ سے ہلاکت وتباہی سے بچنا ہمارے لئے کس قدر مشکل ہوجائے گا؟ایسے میں ہمارے اوپر یہ رب کریم کا خاص فضل وکرم ہے کہ اس نے ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لئے سینکڑوں اعمال واسباب کی نشاندہی کردی ہے۔سب سے پہلے ہم ان اعمال کو جاننے کی کوشش کریں جو ہمارے گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں، پھر ہم ان اعمال کو انجام دینے کے حریص بنیں تاکہ رب کریم وغفور ہمارے حال پر رحم کرتے ہوئے ہمیں گناہوں سے پاک وصاف کردے۔

ہم مسلمانوں کی زندگی میں پائی جانے والی بے شمار قسم کی بے راہ رویوں میں سے ایک جمعہ کے دن، اس کی نماز کے لئے عدم اہتمام اور مسجد کے اندر پہنچ کر ہماری غیر ذمہ دارانہ حرکتیں ہیں۔ہم میں سے بہت سے افراد جمعہ کے دن اگر وقت پر مسجد پہنچ بھی جاتے ہیں تو وہاں مسجد کے آداب کا خیال رکھنے کی کوشش نہیں کرتے اور نہ اس طرح خاموش رہتے ہیں جس کا حکم حدیث نبوی میں دیا گیا ہے۔کچھ لوگ اپنا پورا وقت بچوں کو خاموش کرانے میں صرف کردیتے ہیں تب بھی بچے خاموش نہیں ہوتے اور خطیب مسلسل دوران خطبہ ذہنی الجھن وکوفت کا شکار رہتا ہے۔جہاں بھی مساجد میں اس طرح شور وغل کا ماحول ہے اسے ختم کرنے کی فکر کی جانی چاہئے تاکہ ہماری نمازوں کا خشوع وخضوع اور خطبہ جمعہ کی اہمیت اور اس کا تقدس پامال نہ ہو۔مذکورہ بالا حدیث نبوی میں تو ایک کنکری کو چھونے کو بھی لغو کام قرار دیا گیا ہے تو پھر دوران خطبہ مسلسل شور وغل کی وجہ سے کیا محرومیاں ہاتھ لگتی ہوں گی، اس کا اندازہ لگانا ہمارے لئے چنداں مشکل نہیں ہونا چاہئے۔

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہمارے لئے اس سے بھی بڑھ کر مژدۂ عفو ودرگزر ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: پانچوں نمازیں، ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک اس درمیانی مدت میں صادر ہونے والے گناہوں کے لئے کفارہ ہیں جبکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔(صحیح مسلم(۲۳۳)

یہ حدیث نبوی ہم گنہگاروں کے لئے کسی مژدۂ جانفزا سے کم نہیں ہے، اس لئے کہ ہم سب شر وفساد کے اس دور میں گناہوں میں لت پت ہیں، دن رات ہم سے لاتعداد گناہوں کا صدور ہوتا رہتا ہے۔ایسے میں اگر رب غفور ورحیم کی طرف سے گناہوں کے کفارے اور معافی کا انتظام نہ ہوتو ہمارے لیے خسارہ یقینی ہے۔مذکورہ حدیث نبوی ہمیں یہ پیغام دے رہی ہے کہ اگر ہمیں گناہوں کے بوجھ تلے دب جانا منظور نہیں ہے تو ہم ہر حال میں پنجوقتہ نمازوں، جمعہ کے دن، اس کی عبادت، اس کی خصوصی ساعتِ مغفرت وقبولیت، رمضان کے روزوں اور اس کی عبادتوں کا آخری حد تک اہتمام کریں۔اس کے بغیر نہ ہمارے گناہوں کا بوجھ کم ہوسکتا ہے اور نہ رب تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے ہم مستحق قرار پاسکتے ہیں۔

دن بھر میں پانچ فرض نمازیں ہم میں سے کچھ لوگوں کو بوجھ بھی لگتی ہوں گی لیکن جب ہم عمومی طور پر انسانی زندگی اور اس کے لاتعداد اور ان گنت مسائل کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ یہ محض رب کریم کا بندوں پر خاص فضل وکرم ہے کہ اس نے دن رات میں پانچ مرتبہ اپنے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے تاکہ زندگی کے پرپیچ مسائل سے جوجھ رہا بندہ وہاں رب کی حمد وثنا، تسبیح وتحمید اور تہلیل کے ذریعہ اس کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرے اور مسائل زندگی کو حل کرنے میں اسے رب کی خصوصی اعانت وتوفیق حاصل ہوجائے۔صد حیف! ہم جس معاشرہ میں رہتے ہیں اس کی بڑی تعداد فرض نمازوں کی حکمتوں اور اس کے فوائد سے نابلد ہے، نہ انہیں نماز پڑھنے کی توفیق ملتی ہے اور نہ رب کے سامنے اپنے مسائل ومعاملات کو رکھنے کا سلیقہ آتا ہے۔یقیناً ہم میں سے جو لوگ باشعور ہیں اور اللہ کی توفیق سے نمازوں کے پابند ہیں انہیں اپنے غافل بھائیوں کی حالت زار کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے اور رب کے دربار میں ان کی حاضری کو یقینی بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق سے نوازے۔آمین و **صلى الله على نبينا محمد وسلم تسليما كثيرا۔** ☆☆

مدیر مسؤل
اصغرعلی امام مہدی سلفی
مدیر
عبدالقدوس اطہرنقوی
نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
مجلس ادارت
مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی مولانا شہاب الدین مدنی ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی مولانا طہ سعید خالد مدنی مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث ۲
اداریہ ۳
تاریخ کی سب سے بڑی وصیت...... ۶
اسراء ومعراج اور ماہ رجب ۸
اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں شیطانی وسوسہ اوراس کا اعلاج ۱۰
اللہ سے رضامندی ۱۴
گاؤں محلہ میں صباحی ومسائی مکاتب قائم کیجئے (اپیل) ۱۶
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ہم شکل خوش نصیب حضرات ۱۷
مولانا ابوالکلام آزادؒ کا فلسفہ حیات ''غبار خاطر'' کے آئینے میں ۲۲
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا ۲۶
مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز ۲۹
اعلان داخلہ المعہد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیہ، نئی دہلی ۳۱
اشتہار اہل حدیث منزل ۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدلِ اشتراک
سالانہ ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ۷/روپے
پاکستان ۵۰۰/روپے
بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

اصغرعلی امام مہدی سلفی

پھر وقت آ گیا ہے کہ

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا کرم واحسان بے پایاں ہے، اس کا فضل وکرم عظیم ہے، اس کی مہربانی وذرہ نوازی عام ہے، اس کی کرم گستری اور بندہ پروری بے مثال ہے، اس کی نعمتوں کی کوئی انتہا ہے، نہ اس کے خزانے اور جود وسخا کی کوئی حد ہے۔ اس کے انعام واکرام اور اس کے نچھاور کئے ہوئے مال ومنال اور عطیہ ونوال بے حساب ولاتعداد ہیں۔ اس کی سب سے بڑی نعمت ودولت جس سے ہم کو نوازا گیا ہے اور جو اس ذرہ حقیر وقطمیر کو عطا کی گئی ہے وہ دین وایمان کی دولت ہے جس کی شکرگزاری کے لئے الفاظ کم پڑ جائیں گے اور قرطاس وقلم تک ہار کر بیٹھ جائیں گے۔ پھر بھی اس کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔

حمد بے حد مر خدائے پاک را
آنکہ ایماں داد مشتِ خاک را

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (ابراہیم:۳۴) ''اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے''۔ بایں ہمہ حکم ہوتا ہے کہ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (البقرہ:۱۷۲) ''اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو'' اور ارشاد گرامی مولائے کریم ورحیم ہے: اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سبا:۱۳) ''اے آل داؤد! اس کے شکریہ میں نیک عمل کرو، میرے بندوں میں سے شکرگزار بندے کم ہی ہوتے ہیں''۔

ان تمام نعمہائے عظیمہ وکبیرہ میں سرفہرست واہم ترین نعمت دین وایمان ہے جس کی جتنی قدردانی اعتقاداً، قولاً اور عملاً کی جاتی رہے گی اس کے ثمرات وبرکات اور برگ وبار اسی قدر عام ہوتے جائیں گے۔ اور اس سے جس قدر دوری ہوتی جائے گی اور جس قدر اس کی اہمیت اور قدر وقیمت دل ودماغ، قلم وقرطاس، ارض واقع اور زمینی سطح پر کم ہوتی جائے گی اسی قدر انسانی اقدار میں

گراوٹ وتنزلی اور انحطاط آتا جائے گا۔ پھر ہمارا معاشرہ یہی نہیں کہ ناپائیداری وبے ثباتی اور سطحیت کا ہر طور پر شکار ہوتا جائے گا، بلکہ معاشرہ ہر طرح کے فساد و بگاڑ اور عدم توازن اور لاتعداد فتنہ وشر کی آماجگاہ بنتا چلا جائے گا۔ مادی بنیادوں پر اور بظاہر وقتی وعارضی طور پر وہ چمکتا دمکتا ضرور دکھائی دے گا مگر وہ اندر سے حقیقی مسرتوں سے شادکام نہیں ہوسکتا۔ خودغرضی، تمتع، نفع خوری، معاشی استحصال، ذخیرہ اندوزی، لذت اندوزی، عیش کوشی اور بے جا نمائش وخودفریبی سے فرد ومعاشرہ تھوڑی دیر کے لئے مطمئن دکھائی دے گا، مگر اندر کے اضطراب اور داخلی کھوکھلے پن اور بے اطمینانی سے بے چین وبے قرار ہوگا اور ''جوشاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا'' کے مصداق ہوگا۔

مذہب اور انسانیت نوازی پر مبنی عقیدہ وآستھا اور یقین وتلقین نے ہر دور میں جس طرح تحفظ انسانیت، عصمت جان ومال، صیانت اعراض واقدار اور بقاء صحت عقل ودماغ کا کام انجام دیا ہے، وہی دراصل انسان کی حقیقی متاع حیات، دولت وثروت اور سرچشمہ قوت رہا ہے۔ دراصل انسانیت نوازی، انسانی اقدار کی بلندی اور اس کی قدر وقیمت کے پیچھے بھی کہیں نہ کہیں دین پسندی ودین داری کی کارفرمائی رہی ہے۔ بلکہ یقینی طور پر اس کی سعادت ونیک بختی کے پیچھے ہدایت الٰہی کی پیروی ہی کارفرما رہی ہے اور ہر دور میں رہے گی۔ '' فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ''(طٰہ:۱۲۳)''تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے نہ تو وہ بہکے گا نہ تکلیف میں پڑے گا'' دین بیزاری یا مذہب سے دوری جہاں کہیں بھی عام ہونی شروع ہوئی انسانیت شر وفساد کا مرکز بنتی چلی گئی، بے شمار مشکلات وامراض روحانی وجسمانی پیدا ہوتے چلے گئے، اور ہر ممکنہ علاج مزید تورط اور ازدیاد امراض واعراض کا پیش خیمہ ثابت ہوتا چلا گیا اور رفتہ رفتہ عرصہ حیات ہی تنگ ہوتا گیا۔ ''وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا ''(طٰہ:۱۲۴)''اور (ہاں) جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی'' بے دین معاشرہ اور بے مروت ماحول، بے رحم وبے ادب اور بے روح سماج وکنبہ پیدا کرتا ہے، جس میں فرد سے لے کر جماعت تک اور رعایا سے لے کر حاکم تک سوداگر وصنعتکار اور مالدار تو پیدا ہوسکتے ہیں، مگر آسودہ کار ودلدار اور ایماندار نہیں پیدا ہوسکتے۔ اور جس معاشرہ میں ایسی بیماری عام ہوگئی وہاں اخلاقی قدروں کا پامال ہوجانا یقینی ہے۔ انسانیت کا جنازہ نکل جاتا ہے، باہمی اعتماد جو انسان کی حقیقی خوشی اور اطمینان کا بے حد اہم عنصر ہے ختم ہوجاتا ہے، رشتے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجاتے ہیں اور اخلاص ومروت اور محبت واخوت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ اور انسان یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ

لگتا ہے اب خلوص بھی اک ساز باز ہے

دراصل یہاں ہم جس چیز کو اخلاص کے نام سے یاد کرکے توقع کرتے یا ڈھونڈھتے ہیں وہ ہوی وہوس ہوتی ہے، مادیت ودنیا طلبی ہوتی ہے، خودغرضی وخودستائی ہوتی ہے اور ایک وقتی ضرورت ہوتی ہے جو مختلف انسانوں کو باندھ کر تھوڑی دیر کے لئے شیر وشکر کرتی دکھائی دیتی ہے۔ ورنہ یہ تار عنکبوت سے زیادہ کوئی اور چیز نہیں ہوتی۔ اور یہ چیز جس دن اور جس سماج وملک اور سنگھٹن میں در کرآئے تو یہ اس کی بے ثباتی وبیقراری اور ناپائیداری کا سرٹیفیکٹ ہے اور **خسر الدنیا والآخرة** کا مصداق ہے۔ اس سراب کے پیچھے دوڑنے والا اپنی پیاس کو بجھانے کے بجائے اور زیادہ تشنہ کام ہوتا چلا جائے گا۔ بدقسمتی سے دنیا کا رجحان ادھر کئی دہائیوں سے اسی طرف بڑھا ہے اس لئے ہر سطح پر بے دینی، اضطراب اور عدم سکون کا ماحول بنتا جارہا ہے۔

بدقسمتی سے وہ طبقہ جو کسی ملک ومعاشرہ میں سب سے بڑا ذمہ دار تھا اور جو جتھا ہر حال میں ملک ومعاشرہ کو اپنے مذہبی وانسانی رنگ میں رنگ کراس کی اصلاح وسدھار کا کام کرنے، دینی اقدار وتعلیمات کی روشنی میں معاشرہ کو پروان چڑھانے اور ملک کو تعمیر وترقی سے ہمکنار کرنے کا مکلّف وذمہ دار تھا اسی نے ہی اس کو پس پشت ڈال دیا، بلکہ وہ خود ان دین بیزاروں کی صف میں آکھڑا ہوا اور اپنا منصب ومقام بھول گیا۔ یہی حال اب صحافیوں، مختلف مذہبی وعلمی اور تعلیمی وسماجی میدانوں کے ذمہ داروں کا ہوتا چلا جارہا ہے، مصلحین وقت بھی زمانے کے سر میں سر ملانے کے عادی ہوتے جارہے ہیں اور اس طرح قلب حقائق کے ساتھ قلب ماہیت بھی ہوتی جارہی ہے۔ اس لیے جب تک مذہب سے سچی

محبت، اللہ جل شانہ سے حقیقی لگاؤ، اس کی ناراضگی اور روٹھ جانے کا خوف اور اس کی عظمت وجلال کی ہیبت وخشیت دلوں میں جاگزیں نہیں ہوگی اور عمل وکردار کی شکل میں ڈھل ڈھلا کر معاشرہ میں نہیں پروسی جائے گی، تب تک معاشرہ نہ مطمئن ہوگا اور نہ آسودہ ہوسکے گا۔ اور ’’مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی‘‘ کی کیفیت پیدا ہوتی چلی جائے گی۔

ماضی میں ہمارے اسلاف نے اللہ کی سرزمین پر اسی کے دیئے ہوئے قانون وتعلیم کو اپنا کر انسانیت کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا تھا۔ ماضی بعید میں امام مالک بن انس، امام ابن حنبل امام ابن تیمیہ رحمہم اللہ و دیگر دعوت وعزیمت کے پیکر اسلاف نے یہی فریضہ انجام دیا تھا۔ حاکم ورعایا کے حقوق واشگاف انداز میں بیان کیے تھے اور دونوں کے فرائض یاد دلا دیے تھے۔ کل ہی کی بات ہے جب خود ہمارے اس پیارے دیس میں بھی ہمارے اسلاف نے انسانوں کو انسانیت نوازی کی تعلیم دی، بھائی چارہ کا سبق سکھایا۔ سخت حالات میں بھی اپنی مذہبی، اخلاقی اور انسانی بلندیوں سے اتر کر مادی پستیوں اور نفسانی خواہشات کے شکار نہ ہوئے، بلکہ قومی یکجہتی، انسانی ہمدردی، اخوت انسانی واسلامی کا وہ درس دیا کہ جس نے ہندوستانیوں کو غلامی کی پستی سے نکال کر آزادی کی بلندی سے سرفراز کردیا۔ تحریک شہیدین کے جانثاران، صادقانِ صادق پور کے وفاداران وفداکاران اور مولانا ابوالکلام آزادؔ، سرسید احمد خان، نواب صدیق حسن خان بھوپالی، شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین دہلوی، مولانا ظفر علی خان، مولانا عنایت علی، مولانا ولایت علی، مولانا حالی، جگر مرادآبادی، محسن الملک، مولانا عبد العزیز رحیم آبادی وغیرہ اساطین علم وعمل اسی شاہراہ دعوت وعزیمت کے ہراول دستہ تھے جن کی مخلصانہ دینی وعلمی، دعوتی واصلاحی، قومی وملی اور انسانی خدمات کی وجہ سے ملک وملت کو آزادی کی صبح فروزاں نصیب ہوئی۔ اور یہ سب اس وقت کیا جارہا تھا جب ایک طرف وفاداریاں خریدی جارہی تھیں، قلم بک رہے تھے، فکر وخیال پر ڈاکے ڈالے جارہے تھے، دین وایمان فروشوں کی لابی بنتی جارہی تھی، حرص ولالچ اور خوف ودہشت کے نسخے آزمائے جارہے تھے اور ایک دوسرے کے خلاف بے اعتمادی وبدظنی کے بیج بونے کے وسائل وذرائع کی بھرمار ہورہی تھی تو دوسری طرف ہندو مسلم منافرت وعداوت کو پیدا کرنے اور اسے دوآتشہ کرنے اور قومی یکجہتی اور آپسی بھائی چارہ کو پارہ پارہ کرنے کے لئے بڑی بڑی چالیں چلی جارہی تھیں، ’’پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو‘‘ کا فارمولہ اپنایا جارہا تھا اور ہندو مسلم فسادات کا لامتناہی سلسلہ شروع کیا جارہا تھا۔ اس کے جواب میں سب متحد ہوکر ’’ہم ایک رہیں گے نیک رہیں گے‘‘ کا عہد وپیمان اور عزم دہرا رہے تھے اور ’’ہندو مسلم سکھ عیسائی آپس میں سب بھائی بھائی‘‘ کا نعرہ ہمارے بزرگ بڑی حکمت عملی اور ہمت واخلاص اور ایثار کے ساتھ لگا رہے تھے۔ اس نازک وقت میں ہمارے اسلاف نے یہی نہیں کہ اپنے آپ کو وقتی فائدہ اور راحت پہنچانے سے دور رکھا، بلکہ پوری قوم وملت کی بہی خواہی وبھلائی کے لئے ہر گام اور ہر سطح پر ایثار وقربانی کا عملی نمونہ پیش کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ اور اس طرح انہوں نے اپنے پالنہار اور اس کے بندوں سے محبت والفت، ان کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی خدمت کا جو عہد کیا تھا اس کو اپنے عمل وکردار سے سچ کر دکھایا اور بجا طور پر اللہ تعالیٰ کی اس خوشخبری کے مستحق ٹھہرے:

’’مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ‘ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ....(الاحزاب:۲۳) ’’مومنوں میں (ایسے) لوگ بھی ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کیا تھا انہیں سچا کر دکھایا، بعض نے تو اپنا عہد پورا کردیا اور بعض (موقع کے) منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی‘‘۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

آج وطن عزیز اور سارے عالم میں ضرورت ہے اسی دینی اسپرٹ کی، انہی مذہبی قوتوں کی اور انہی اخلاقی بلندیوں کی۔ انسانی اخوت ومحبت ہی ہر فرد کا، ہر عالم وملا اور پنڈت ومہنت کا، ہر سادھو اور سنت کا، ہر پیر وصوفی کا اور ہر شیخ وبرہمن کا ہر حال میں وظیفہ ہونا چاہئے۔

یہی ہے عبادت یہی دین وایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

☆☆☆

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

مولانا خورشید عالم مدنی
پھلواری شریف، پٹنہ

تاریخ کی سب سے بڑی وصیت

مانگوتواسی رب علیٰ سے مانگو

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جواہم باتیں بتائیں،ان میں یہ بھی فرمایا"اذا سألت فسأل الله "(ترمذی)یعنی''جب تم کوئی چیز مانگوتواللہ سے مانگو''۔

قارئین مکرم! جب ہمارا یہ ایمان ہے کہ اللہ معبود برحق ہے، تو اس ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم کسی مخلوق پر اعتماد کرنے کے بجائے اگر کسی چیز کی حاجت ہے تو صرف اسی کے سامنے دامن پھیلائیں۔ دست سوال دراز کریں۔ جیسا کہ قرآنی ہدایات ہیں وَسْـئَلُـوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ (النساء:32)یعنی''اوراللہ سے اس کا فضل مانگا کرو''وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (مؤمن:60)یعنی''تمہارے رب نے کہہ دیاہے کہ تم سب مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا''۔

اس لیے کہ بندہ جب ایمان کامل، جذبہ صادق کے ساتھ اللہ کو پکارتا اوراس کے سامنے اپنی جھولی پھیلاتا ہے،تو وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ بلکہ جواللہ سے سوال نہیں کرتااس سے وہ ناراض ہوتا ہے من لم يسأل الله يغضب عليه (ترمذی:3373)اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ (مؤمن:60)یعنی''بیشک جولوگ کبر کی وجہ سے میری عبادت نہیں کرتے، وہ عنقریب ذلت ورسوائی کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے''۔اور جیسا کہ شاعر نے کہا:

لاتسألن بني آدم حاجة
واسأل الذی ابوابه لا تحجب
الله يغضب ان تركت سؤاله
وترى ابن آدم حين يسئل يغضب

یعنی''انسان سے کوئی چیز نہ مانگو، بلکہ اس سے مانگوجس کے کرم وسخاوت کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے (ہمیشہ کھلے رہتے ہیں)۔اگرتو اللہ سے مانگنا ترک کر دےتووہ ناراض ہوتا ہےاوراس کے برعکس انسان سے مانگنے پرناراض ہوتا ہے''۔

ہمیں اس سے مانگنا ہے جو ہر وقت اور ہر جگہ بندوں کی پکارسنتا ہے۔وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (بقرہ:186)یعنی''اور(اے نبی)اگرآپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں،تو کہہ دیجئے کہ میں قریب ہوں۔ پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے''۔

ہمیں اس سے مانگنا ہے جودینے کیلئے ہررات اعلان کررہاہے هل من سائل فاعطيه (نسائی)یعنی''ہے کوئی مانگنے والا میں اس کی مانگ کو پورا کروں گا''اوراس سے مانگنا ہے، جوآسمان وزمین کےخزانے کا مالک ہے وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (منافقون:63)اورجیسا کہ حدیث قدسی میں ہے لو ان اولكم و آخركم و انسكم وجنكم قاموا فی صعيد واحد فسألونی فاعطيت كل انسان مسألته ما نقص ذلک مما عندی شيئا الا كما ينقص المخيط اذا ادخل البحر (مسلم)یعنی''اگرتمہارے اگلے پچھلے انسان اورجن، تمام کے تمام کھلے میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں ہرایک کواس کی مانگ کے مطابق دیتا جاؤں،تو اس سے میرے خزانوں میں بس اتنی سی کمی آتی ہے جتنی سمندر میں سوئی ڈبو کرنکالنے سے سمندر میں کمی آتی ہے"۔

توحید کی روح اوراس کا مزاج یہ ہے کہ ایسی چیزیں جسے عطا کرنا صرف اللہ رب العالمین ہی کے بس میں ہے جیسے بیماری سے شفا دینا، دشمن پر غلبہ،علم، ہدایت، اخلاق، روزی، اولادان چیزوں کا دوسروں سے مانگنا، یہ توحید کے منافی یعنی شرک ہے۔اس لئے جولوگ غیراللہ(اصحاب قبور) سے مانگتے ہیں، وہ شرک کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہےوَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (احقاف:5)یعنی''اوراس آدمی سے بڑھ کرگمراہ کون ہوگا، جواللہ کے بجائے ان معبودوں کو پکارتا ہے۔ جوقیامت تک ان کی پکارکونہ سن سکیں گے''۔وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ (اعراف:197)یعنی''جواپنی مدد آپ کرنے پرقادرنہ ہوں،وہ بھلا دوسروں کی کیامدد کریں گے''۔

جو خود محتاج ہو، دوسرے کا
بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا؟

مرنے کے ساتھ ہی ان کے دیکھنے، سننے، سمجھنے اور چلنے کی طاقت ختم ہوگئی۔اب ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے پاس موجود نہیں؟ اب صرف گنبد، قبے اور آستانے رہ گئے ہیں۔اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ (اعراف:195) یعنی ’’کیا ان کے پاؤں ہیں، جن سے وہ چلتے ہیں۔یا ان کے ہاتھ ہیں، جن سے وہ چھوتے ہیں۔یا ان کی آنکھیں ہیں، جن سے وہ دیکھتے ہیں۔یا ان کے کان ہیں، جن سے وہ سنتے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنے معبودوں کو بلالو پھر میرے خلاف مل کر سازش کرو۔اور مجھے مہلت بھی نہ دو‘‘۔

افسوس! آج امت کی اکثریت شرک میں مبتلا ہے۔ایک اللہ کو چھوڑ کر مصائب ومشکلات میں اصحاب القبور اور فوت شدگان کو مدد کے لئے پکارا جارہا ہے۔وہ توحید رسوا ہورہی ہے، جو اول ہے، آخر ہے۔جو جن وانس کی تخلیق اور خانہ کعبہ کی تعمیر کا مقصد ہے۔جو تمام انبیائے کرام کی تعلیمات کا خلاصہ اور ان کی دعوت کا نقطہ آغاز ہے۔**فاللہ المستعان**

قبروں میں مدفون کس قدر مجبور وعاجز ہیں۔اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے ذرا ان مقامات کا چکر لگالیں کہ وہاں خدمت قبر والوں کی ہوتی ہے لیکن مانگا جاتا ہے ان لوگوں سے جو وہاں جاتے ہیں۔ان سے نذرانے وصول کرتے ہیں۔ان کے سامنے ڈبے پیش کرتے ہیں۔اسے بھی پتہ ہے کہ اہل قبر سے کیا مانگیں، اس کے اندر دینے کی طاقت کہاں۔اور جب وہ اپنے لوگوں کو کچھ نہیں دیتے تو دوسروں کو کیا دیں گے۔

اور اگر آپ نے کسی زندہ انسان سے ایسی چیز کا سوال کیا، جس کے دینے پر وہ قادر ہے۔پیسے مانگے، سواری مانگی، تعاون مانگا، تو شریعت کی نگاہ میں جائز تو ہے لیکن ایسی حرکت بھی مذموم ہے۔قرآن کریم میں ایسے لوگوں کی تعریف کی گئی ہے، جو دوسروں سے سوال کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (بقرۃ:273) یعنی ’’صدقہ ان فقراء کے لئے ہے جو اللہ کی راہ میں بند ہوگئے۔زمین میں (طلب رزق کے لئے) چل پھر نہیں سکتے۔ناواقف لوگ ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے انہیں مالدار سمجھتے ہیں۔آپ انہیں ان کے چہروں سے پہچان لیں گے۔وہ لوگوں سے سوال کرنے میں الحاح سے کام نہیں لیتے‘‘۔

اسی طرح جو لوگ ازدیاد مال کے لئے لوگوں سے سوال کرتے ہیں۔ان کے لیے یہ وعید بھی آئی ہے **یاتی یوم القیامة ولیس فی وجهه مزعة لحم** (بخاری، مسلم، کتاب الزکوۃ) یعنی ’’وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا‘‘۔

لیکن تین قسم کے ایسے لوگ ہیں جن کے لئے سوال کرنا جائز ہے، گو وہ مالدار ہی کیوں نہ ہوں۔اس کی تفصیل کے لئے "مسلم، کتاب الزکاۃ کی یہ حدیث پیش نظر رکھیں **یا قبیصة ان المسالة لاتحل الا لاحد ثلاثة** ’اے قبیصہ! تین قسم کے افراد میں سے کسی ایک کے سوا اور کسی کے لیے سوال کرنا جائز نہیں‘‘

(1) **رجل تحمل حمالة فحلت له المسألة حتى يصيبها ثم يمسك** ایک وہ آدمی جس نے کسی قوم کی بڑی ذمہ داری (صلح کرانے کی) قبول کرلی، (اب اسے اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کچھ مال بطور تاوان ادا کرنے ہیں) تو ایسے شخص کے لیے خواہ وہ غنی کیوں نہ ہو، تاوان کی ادائیگی تک سوال کرنا جائز ہے۔(تاکہ وہ تاوان ادا کرکے نفرت کی آگ بجھا دے)، اس کے بعد وہ سوال کرنا بند کردے۔

(2) **رجل اصابته جائحة احتاجت ماله فحلت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش** ’’ایک وہ شخص (جو مالدار ہے) اور دولت کسی آفت ناگہانی سے برباد ہوگئی، تو اس کے لئے صدقہ مانگنا جائز ہے یہاں تک کہ وہ بقائے زندگی کا سامان کرلے۔

(3) **ورجل اصابته فاقة حتى يقوم ثلاثة من ذوى الحجا من قومه** اور ایسا (مال دار) شخص (جس کا مال چوری، خیانت سے برباد ہوگیا)۔اسے فقر وفاقہ کی نوبت آگئی۔تو اس کے لئے بھی سوال کرنا جائز ہے۔بشرطیکہ تین قابل اعتماد اشخاص اس کی تصدیق کردیں۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **فما سواهن من المسألة یا قبیصة! سحتا یاکل صاحبها سحتا** ’’ان صورتوں کے علاوہ میں سوال کرنا حرام ہے۔اور سوال کرنے والا حرام کھاتا ہے۔

اللہ وہ ہے جو (وہیل) مچھلی کو روزانہ سمندر میں 4 ٹن گوشت کھلاتا ہے۔تو پھر ہم دو روٹی کے لئے اتنا پریشان کیوں ہوتے ہیں؟ ہم نیک نیتی کے ساتھ محنت کریں۔اور صرف اس ذات عالی صفات سے مانگیں جو دیتا ہے خوشی سے اور کہتا نہیں کسی سے۔اور یاد رکھیں کہ جو اس سے نہیں مانگتا وہ سب سے مانگتا ہے۔

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے
جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

☆☆☆

اسراء ومعراج اور ماہ رجب

تحریر: سماحۃ الشیخ ابن باز رحمہ اللہ
ترجمہ: مولانا عبدالمنان سلفی شکراوی

اس میں کسی بھی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اسراء ومعراج کا واقعہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانیوں میں سے ہے جو اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ہونے اور اللہ رب العزت کے نزدیک آپ ؐ کے عظیم مرتبے پر دلالت کرتی ہے۔اسی طرح اسراء ومعراج، اللہ تعالیٰ کی نمایاں قدرت وطاقت اور ساری مخلوق پر اس کی بلندی ورفعت کے دلائل وبراہین میں سے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَی الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ (الاسراء:۱) ترجمہ: پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے اس لیے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں، یقیناً اللہ تعالیٰ خوب سننے دیکھنے والا ہے۔''

متواتر احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر لے جایا گیا، آپ کے لیے اس کے دروازے کھولے گئے یہاں تک کہ آپ ساتویں آسمان سے بھی آگے چلے گئے اور آپ سے آپ کے رب نے جو چاہا، گفتگو فرمائی۔اللہ تعالیٰ نے وہاں آپ پر پانچ نمازیں فرض کیں جو کہ پہلے پچاس کی تعداد میں فرض کی گئی تھیں۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضری دے کر نماز کی تعداد میں تخفیف کا سوال کرتے رہے یہاں تک کہ پانچ وقت کی نمازیں باقی رہ گئیں اور ثواب پچاس نمازوں کا ہی رہا۔کیونکہ نیکی کے ثواب میں دس گنا اضافہ ہوتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

محفل معراج منعقد کرنا اسلام میں نہیں: اسراء ومعراج جس رات ہوئی، اس رات کی ماہ رجب وغیرہ میں تعیین کے سلسلے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔اور اس کی تعیین کے سلسلے میں جتنی بھی احادیث وارد ہوئی ہیں علماء فن حدیث کے نزدیک وہ سب ثابت شدہ نہیں ہیں۔لوگ اس رات کی تعیین کو بھول گئے، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی بڑی مصلحت ہے۔اگر تعیین ثابت بھی ہوجاتی تب بھی مسلمانوں کا اس رات کا عبادت یا محفل منعقد کرنے کے لیے خاص کرنا درست نہ ہوتا۔کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس رات میں کوئی محفل منعقد نہیں کی اور نہ ہی کوئی خاص کام اس میں کیا۔اگر محفل منعقد کرنا کوئی شرعی امر ہوتا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم امت کو حکم دے کر یا خود عمل کر کے اس کی اہمیت سے واقف ضرور کراتے۔اور اگر اس طرح کا کوئی عمل صادر ہوتا تو لوگوں میں ضرور مشہور ہوجاتا اور صحابہ کرام اسے ہم تک ضرور پہنچادیتے۔کیونکہ انہوں نے امت تک ہر وہ بات پہنچادی ہے جس کی امت کو ضرورت تھی۔انہوں نے دینی امور کے سلسلے میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کی۔خیر وبھلائی کے کاموں کی انجام دہی میں وہ سب سے زیادہ سبقت کرنے والے تھے۔اگر محفل اسراء ومعراج منعقد کرنا مشروع ہوتا تو صحابۂ کرام اسے ضرور مناتے۔اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے سب سے بڑے خیر خواہ تھے آپ نے اپنے رب کا پیغام اور آپ کو سونپی ہوئی امانت بے کم وکاست امت تک پہنچادی ہے۔اگر اس رات کی تعظیم اور اس میں محفل منعقد کرنا اللہ کے دین کا حصہ ہوتا تو نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے غافل ہوتے اور نہ ہی اسے چھپا کر رکھتے۔جب ایسی کوئی چیز ہوئی ہی نہیں تو معلوم ہوا کہ اس کی بنیاد پر محفل منعقد کرنے اور اس کی تعظیم کرنے کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے اس کا دین مکمل کردیا ہے اور نعمت کا اتمام کردیا ہے۔اور اگر کوئی ایسی بات شریعت میں شامل کرتا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے تو اس کا یہ عمل قابل قبول نہیں ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا (المائدۃ:۳) ترجمہ:''آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کردیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہوگیا۔''

اور سورہ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:اَمۡ لَہُمۡ شُرَکٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَہُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا لَمۡ یَاۡذَنۡۢ بِہِ اللّٰہُ ؕ وَ لَوۡ لَا کَلِمَۃُ الۡفَصۡلِ لَقُضِیَ بَیۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ (الشوریٰ:۲۱) ترجمہ:''کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنہوں نے ایسے (احکام) دین مقرر کردیے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔اگر فیصلے کے دن کا وعدہ نہ ہوتا تو (ابھی ہی) ان میں فیصلہ کردیا جاتا۔یقیناً (ان) ظالموں کے لیے ہی دردناک عذاب ہے۔''

بدعات پر تنبیہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح احادیث میں

بدعات پر تنبیہ اور اس بات کی صراحت ثابت ہے کہ یہ گمراہی ہے۔اس طرح بدعات کی خطرناکی پر امت کو متنبہ اور اس کے ارتکاب سے متنفر کیا گیا ہے۔صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہمارے دین میں وہ بات نکالے جو اس میں نہ ہو (یعنی بغیر دلیل کے) وہ رد ہے۔(مسلم) صحیح مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے جو کوئی ایسا عمل کرے جو ہمارے دین میں نہیں ہے تو وہ رد ہے۔اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جمعہ کے خطبہ میں اللہ کی تعریف کے بعد فرمایا کرتے تھے: جان لو کہ ہر بات سے بہتر اللہ کی کتاب ہے اور ہر طریقے سے بہتر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔اور سب کاموں سے برے (دین میں نکالے گئے) نئے کام ہیں اور ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں (لے جانے والی) ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بڑی ہی بلیغ نصیحت فرمائی جس سے دل دہل گئے اور آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یہ تو رخصت کرنے والے کی نصیحت معلوم ہوتی ہے، لہٰذا ہمیں وصیت فرمادیجیے۔تو آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے اور چاہے تم پر کوئی غلام بھی امیر بنادیا جائے، اس کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔جو تم میں زندہ رہے گا تو بہت اختلاف دیکھے گا، ایسے میں تم اپنے اوپر میری سنت اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑے رہنا۔اسے تم مضبوطی سے تھام لینا اور دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا۔(دین میں) نئی باتوں سے بچتے رہنا کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام اور ان کے بعد سلف صالحین سے بدعتوں سے بچنے اور ان سے ڈرتے رہنے کی تلقین ثابت ہے۔اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بدعت، دین کے اندر زیادتی واضافہ ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے۔یہ اللہ کے دشمنوں، یہود ونصاریٰ کی مشابہت ہے کیونکہ انہوں نے بھی اپنے دین میں اضافہ کردیا تھا اور اس میں ایسی باتیں شامل کردی تھیں جن کی اللہ کی طرف سے اجازت نہیں تھی۔شریعت میں نئی باتیں رائج کرنے سے دین میں نقص لازم آتا ہے اور یہ اتہام بھی لگتا ہے کہ اس سے قبل یہ دین کامل نہیں تھا۔اور لازمی طور پر اس سے دین میں بہت بڑا بگاڑ وفساد پیدا ہوجائے گا نیز فرمان باری تعالیٰ: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کردیا، تم پر اپنا انعام بھرپور کردیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہوگیا۔) سے ٹکراؤ لازم آئے گا۔ نیز ان احادیث کی صریح مخالفت ہوگی جن میں بدعت سے ڈرایا گیا ہے اور ان سے دور رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

اس بدعت کی برائی: مجھے امید ہے کہ ہم نے اس بدعت یعنی اسراء ومعراج کی رات محفل منعقد کرنے، اس سے بچنے، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہ ہونے کے سلسلے میں جو دلائل ذکر کیے ہیں وہ حق کے طلبگاروں کے لیے کافی اور تسلی بخش ہوں گی۔چونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خیرخواہی اور دین میں جو کام مشروع ہیں، ان کا بیان کرنا واجب قرار دیا ہے اور علم کا چھپانا حرام ہے، اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو اس بدعت سے جو کہ بہت سے شہروں میں پھیل چکی ہے اور جسے بعض لوگ دین سمجھ بیٹھے ہیں، اس سے متنبہ کردوں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کے حالات درست فرمادے، دین کی سمجھ دے اور ہم سب کو حق کو مضبوطی سے تھامے رہنے کی توفیق بخشے، اس پر ثابت قدم رکھے اور ناحق کاموں سے باز آنے کی توفیق دے۔

☆☆☆

مکتبہ ترجمان کی تازہ پیشکش

نکاح نامہ رجسٹر

☆ کتاب وسنت کی روشنی میں تیار شدہ

☆ مارکیٹ میں دستیاب تمام نکاح ناموں سے منفرد۔

☆ نکاح سے متعلق بنیادی احکام ومسائل سے آراستہ

☆ نہایت دیدہ زیب اور آرٹ پیپر پر طباعت

☆ ہر مسجد ومدرسہ کی بڑی ضرورت۔

اوراق:150 قیمت:Rs.200/-Net

مولانا ابوعدنان سعید الرحمن بن نور العین سنابلی
المرکز الاسلامی الثقافی الھندی
للترجمة والتالیف، نئی دھلی

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں شیطانی وسوسہ اور اس کا علاج

شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے۔ وہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ کبھی انسان کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرتا ہے، کبھی افراط تو کبھی تفریط کا شکار بنا کر اور کبھی شہوت کو برانگیختہ کر برائیوں کی دلدل میں پھنسا کر اسے رب تعالیٰ کا نافرمان بناتا ہے۔ شیطان مختلف چالوں اور حیلوں کے ذریعہ سے بنی نوع انسان کو اللہ سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان ہی حیلوں اور شیطانی چالوں میں سے ایک شیطانی وسوسہ بھی ہے۔ وسوسہ بھی شیطان کا ایک بڑا ہتھیار ہے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو اللہ کا نافرمان بناتا ہے، دین سے باز رکھتا ہے، توبہ وانابت کی راہوں سے برگشتہ کرتا ہے اور غلط راہوں پر گامزن کر دیتا ہے۔

وسوسہ ایک ایسا مرض ہے جس کا شکار ہر انسان ہے، ہر کسی کو وسوسے آتے ہیں لیکن وسوسے کے شکار لوگ مختلف النوع ہوتے ہیں۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو شیطانی وسوسوں کو ناقابل اعتناء سمجھتے ہیں اور یہ وسوسے ان کے لئے کسی طرح سے ضرر رساں نہیں ہوتے بلکہ ایمان کی مضبوطی اور عقیدے کی پختگی کی بناء پر یہ لوگ وسوسے کو بھی حصول ثواب کا ذریعہ بنالیتے ہیں، بایں طور کہ وسوسوں سے انہیں نفرت ہوتی ہے، وسوسے کی باتوں کو زبان سے ادا کرنا ان کے لئے سخت ناگوار ہوتا ہے۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو گناہوں میں مبتلا، برائیوں کے خوگر اور بے حیائیوں کے دلدل میں پھنسے ہوتے ہیں۔ ایسے افراد اکثر وسوسوں سے محفوظ ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ پہلے سے شیطانی کاموں کو انجام دے رہے ہوتے ہیں، شیطان ان کی حرکتوں سے خوش بھی ہے تو پھر انہیں وسوسہ دے کر پریشان کرنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتا ہے

لیکن یہی لوگ جب توبہ کا دامن تھامتے ہیں، اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور رب تعالیٰ سے اپنا رشتہ استوار کرنے کی سمت میں قدم بڑھاتے ہیں تو شیطان ایسے لوگوں کو وسوسوں میں مبتلا کرتا ہے اور انہیں طرح طرح سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ یہ لوگ راہ راست پر گامزن ہونے کے بارے میں نہ سوچیں اور برائیوں میں مست مگن پڑے رہیں تاکہ انسان کو گمراہ کرنے کی شیطان کی منشا پوری ہوتی رہے۔

یوں تو وسوسے ہر قسم کے انتہائی پریشان کن اور انسانوں کے لئے دردسر ہوتے ہیں لیکن عقائد کے باب میں جب شیطانی وساوس آئیں تو معاملہ ''کریلا وہ بھی نیم چڑھا'' کے مترادف سنگین ہوجاتا ہے۔ اکثر لوگ اس طرح کے خیالات سے دوچار ہوتے ہیں لیکن چونکہ انہیں شرعی احکامات کا علم نہیں ہوتا تو اس طرح کی باتوں میں بھی وہ اپنے عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں اور بلاعلم وجانکاری کے اللہ رب العزت سے متعلق مسائل میں تبصرہ بازی کرتے ہیں اور سخت گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح نصیحت ہے کہ اگر اللہ رب العزت کے بارے میں کسی انسان کے دل میں وسوسہ جنم لیتا ہے تو اسے چاہئے کہ اس طرح کے وسوسے پر ہرگز دھیان نہ دے بلکہ اپنے خیال کو کسی دوسرے معاملہ میں لگانے کی کوشش کرے۔ بہرحال، اس طرح کے مسائل سے ہم دوچار ہوتے ہیں اور وقتاً فوقتاً اس طرح کے مسائل لوگ دریافت بھی کرتے ہیں چنانچہ زیر نظر مضمون میں اللہ کی ذات کے تعلق سے شیطانی وسوسہ اور اس کا علاج کے تعلق سے کچھ نکات پیش خدمت ہیں، اس امید سے کہ یہ سطور اس مسئلے میں ہمارے لئے مشعل راہ ہوں گی۔ اللہ ہمیں توفیقات سے نوازے۔ آمین

احادیث مبارکہ میں ہمیں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ نبی آخر الزماں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس بات سے متنبہ کیا تھا کہ شیطان اللہ کی ذات کے تعلق سے وسوسے پیدا کرے گا۔ چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لن یبرح الناس یتساء لون حتی یقولوا ھذا اللہ خالق کل شئ فمن خلق اللہ'' یعنی لوگ برابر باہم سوال کرتے رہیں گے۔ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا لیکن اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ (صحیح بخاری/٧٢٩٦، صحیح مسلم/١٣٦)

نیز جب ہم احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ زبان رسالت سے ''خیر الناس'' کی شہادت پانے والے صحابہ کرام بھی اس طرح کے شیطانی وسوسے کے شکار ہوئے۔ چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ ہم اپنے

نفسوں میں ایسی باتیں اور وسوسے پاتے ہیں جنہیں زبان پر لانا بہت مشکل ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا واقعی تم لوگوں نے ایسا محسوس کیا ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: یہ تو واضح ایمان ہے۔(صحیح مسلم/۱۳۲)

ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے دل میں ایسا وسوسہ آتا ہے کہ میں آسمان سے گر جاؤں، یہ میرے لئے زیادہ اچھا ہے کہ میں اسے زبان سے ادا کروں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:"ذلک صریح الایمان" یعنی یہ تو خالص ایمان ہے۔(مسند احمد/۸۹۱۱،اس کی سند حسن ہے۔)

آپ دیکھیں کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے دل میں اٹھنے والے وسوسہ پر نکیر نہیں کی کیونکہ اسے روکنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ وہ شیطانی حرکت ہے۔ ہاں، ان وسوسہ کے تئیں دل میں جو نفرت پیدا ہوتی ہے اور انسان انہیں زبان سے ادا کرنے میں جو تردد اور ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیفیت کے بارے میں کہا ہے کہ یہ ایمان کی پختگی اور مضبوطی کی دلیل ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ایک انسان اپنے دل میں ایسی چیز پاتا ہے کہ اسے کہنے سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ کوئلہ اور راکھ بن جائے۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"اللہ اکبر، اللہ اکبر، الحمدللہ الذی رد کیدہ الی الوسوسۃ" یعنی اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے سازگار ہیں جس نے شیطانی مکروفریب کو وسوسے کی طرف لوٹا دیا۔(مسند احمد/۲۰۹۸،سنن ابوداود/۵۱۱۲،عمل الیوم واللیلۃ للنسائی(۶۶۹)،اس کی سند صحیح ہے۔اسے ابن حبان نے الاحسان/۱۴۶ اور شیخ البانی نے صحیح ابوداود/۴۲۶۴ میں صحیح قرار دیا ہے۔)

شیطان کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ جب وہ کسی انسان کو گمراہ نہیں کر پاتا ہے تو پھر اسے وسوسے کا شکار بناتا ہے لیکن پختہ ایمان کا مالک انسان وسوسہ سے نبرآزما ہونے کے اسلامی طریقوں سے آشنا ہوتا ہے۔ لہذا وہ ہرگز پریشان نہیں ہوتا اور اپنے فولادی عزم وحوصلہ سے ان وسوسوں کا دفاع کرتا ہے جبکہ کافر کا معاملہ اس سے مختلف ہوتا ہے۔ شیطان اس پر بالکلیہ کنٹرول پاچکا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ من چاہے ڈھنگ سے کھلواڑ کرتا ہے۔

وسوسے صرف اللہ کے بارے میں نہیں ہوتے بلکہ اللہ کے دین، اس کی وحی، قضاء وقدر اور عقیدے سے متعلق دوسری چیزوں کے بارے میں بھی ہوسکتے ہیں۔ مشہور واقعہ ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک آدمی آیا اور اس نے ایسی قراءت کی جس پر میں نے تعجب کیا۔ پھر ایک اور آدمی آیا جس نے اس سے بھی مختلف قراءت کی۔ جب ہم نے نماز ادا کرلی تو آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ اس نے ایسی قراءت کی ہے جو میں نہیں جانتا تھا اور دوسرے نے اس سے بھی مختلف تلاوت کی۔ آپ نے دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا۔ ان دونوں نے پڑھا تو آپ نے ہر ایک کی قراءت کو سراہا۔ میرے دل میں ایسا وسوسہ پیدا ہوا، جو کبھی دورِ جاہلیت میں بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ جب آپ ﷺ نے میری اس کیفیت کو دیکھا تو میرے سینے میں ہاتھ مارا، مارے خوف کے میرے تو پسینے چھوٹ گئے اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا: اے ابی! اللہ تعالیٰ نے میرے پاس فرشتے کو بھیجا، تاکہ میں ایک لہجہ پر قرآن پڑھوں، میں نے مطالبہ کیا کہ میری اُمت پر آسانی کیجئے۔ فرشتہ پھر دوسری مرتبہ آیا اور کہا دو لہجات پر اُمت کو پڑھائیے۔ میں نے پھر وہی مطالبہ کیا۔ جب تیسری مرتبہ فرشتہ آیا تو اس نے کہا کہ آپ اپنی امت کو سات لہجات میں قرآن مجید پڑھائیے اور ہر ہر مطالبہ کے عوض آپ کو ایک سوال (دعا) کرنے کی اجازت ہے۔ میں نے کہا کہ اے اللہ! میری اُمت کو معاف فرمادے، اے اللہ میری اُمت کو معاف فرمادے۔ تیسری دعا کو میں نے اس دن کے لئے محفوظ کررکھا ہے، جب تمام مخلوق بشمول ابراہیم علیہ السلام میری طرف پلٹیں گی۔(صحیح مسلم/۸۲۰)

اس طرح کے وسوسے کسی بھی انسان کے دل میں پیدا ہوسکتے ہیں۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابۂ کرام کو ایسے وسوسے پیدا ہوئے لیکن انہوں نے اس پر ہرگز توجہ نہیں دی بلکہ ایمان کی پختگی سے ان وسوسوں کو دور بھگایا اور صحابہ کرام کا یہ طریقہ ہمارے لئے اسوہ اور قدوہ ہے۔

وسوسے معاف ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا"(سورۃ البقرۃ/۲۸۶) یعنی اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

دوسری جگہ فرمایا:"وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ"(سورۃ الحج/۷۸) یعنی تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی۔

وسوسے انسانی دائرۂ اختیار سے باہر کی چیز ہیں۔ انسان انہیں روک نہیں سکتا ہے، لہذا اگر ان وسوسوں کی بناء پر مسلمان کا مؤاخذہ کیا جائے گا تو اس آیت کریمہ

میں جس حرج کو دور کرنے کی بات کہی گئی ہے،لوگ اس حرج اور تنگی میں مبتلا ہوجائیں گے،جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے وسوسے سے درگزر کیا ہے بلکہ اگر کوئی انسان ایسے وسوسے سے نفرت کرتا ہے، ان سے ڈرتا ہے اور زبان سے ادا کرنے میں خوف محسوس کرتا ہے تو وہ اس بناء پر اجر وثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"**ان اللـه تـجـاوز لأمتـي مـاحدثت به أنفسها ما لم يتكلموا أو يـعـملوا به**" یعنی اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل میں اٹھنے والے خیالات سے درگزر کیا ہے جب تک کہ وہ انہیں زبان سے ادا نہ کریں اور اس کے موافق عمل نہ کریں۔(صحیح بخاری/۶۶۶۴،صحیح مسلم/۱۲۷)

ایک دوسری روایت میں ہے:"**ان الـلـه تـجـاوز لـي عـن أمتـي مـاوسـوسـت بـه صـدورهـا مالم تعمل أو تكلم**"،یعنی اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل میں جنم لینے والے وسوسے کو درگزر کیا ہے جب تک کہ وہ اس کے موافق عمل نہ کریں یا انہیں زبان سے ادا نہ کریں۔(صحیح بخاری/۲۵۲۸)

وسوسہ کا علاج: ۱-ذکر الٰہی: حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یحییٰ بن زکریا (علیہ السلام) کو پانچ باتوں کا حکم دیا کہ وہ ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی حکم دیں کہ وہ ان پر عمل کریں......اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک شخص کو پکڑنے کے لیے اس کا دشمن دوڑتا ہوا اس کے پیچھے نکلا، یہاں تک کہ وہ ایک مضبوط قلعے میں آ گیا اور (اس میں پناہ لیتے ہوئے) اپنے آپ کو دشمن سے بچالیا، اسی طرح بندہ اپنے آپ کو شیطان سے اللہ کے ذکر سے ہی بچا سکتا ہے۔ (مسند احمد/۱۷۱۸۰، سنن ترمذی/۲۸۶۳، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

ذکر الٰہی شیطان سے حفاظت کا ایک موثر آلہ ہے۔ ذکر الٰہی سے شیطان بھاگتا ہے۔ چنانچہ ہم ذکر الٰہی کے ذریعہ شیطان سے اپنے نفس کو بچا سکتے ہیں کیونکہ جب ہم ذکر الٰہی کریں گے تو شیطان چھپ جائے گا اور دل میں اٹھنے والے خیالات دب ہوجائیں گے۔ہاں، اگر ہم ذکر الٰہی میں غفلت برتیں گے تو پھر شیطان ہم پر غالب آجائے گا اور ہمارے لئے اس کے چنگل سے بچ پانا انتہائی مشکل کام ہوگا۔

ذکر الٰہی میں سب سے پہلے قرآن مجید ہے۔ ہم اس کی تلاوت کا اہتمام کریں،خصوصا ہم ان سورتوں اور آیتوں کو پڑھیں جن کے بارے میں خصوصی فضیلت وارد ہے کہ شیطان کو بھگانے میں ان کی خصوصی تاثیر ہے، مثلاً معوذتین، آیۃ الکرسی اور سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں وغیرہ، اسی طرح سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ مطلق یا اوقات واعداد کے ساتھ مقید اذکار کا بھی التزام کریں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"**اذا أويـت الـى فـراشک فـاقـرأ آية الـكرسي: الله لا اله الا هو الـحـي الـقيـوم حتـى تـختـم الآية،فـانـه لايزال عليک من الله حافظ ولايـقـربـک شيطان حتى تصبح**" یعنی جب بستر پر لیٹو تو آیۃ الکرسی پڑھا کرو، کیونکہ تمہارے پاس اللہ پاک کی طرف سے ایک نگہبان متعین ہوگا اور صبح تک کوئی شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا۔(بخاری/۳۲۷۵ معلقا، السنن الکبریٰ للنسائی/۱۰۷۹۵ موصولا، شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح الترغیب والترہیب/۶۰۲ میں صحیح قرار دیا ہے۔)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"اگر کوئی شخص **لا الـه الا الـلـه وحـده لاشـريک له له الملک وله الـحـمـد وهـو عـلـى كل شئ قدير** ایک دن میں سو بار پڑھتا ہے تو اسے دس گردن آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے، اس کے حق میں سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اس کے سو گناہ مٹائے جاتے ہیں اور اس دن شام تک یہ دعا شیطان سے حفاظت کا سامان ہوتی ہے۔ نیز کوئی انسان اس سے زیادہ اچھا نہیں ہوتا ہے سوائے اس کے جو اس سے زیادہ نیکی کا کام انجام دیتا ہے۔(صحیح بخاری/۶۴۰۳،صحیح مسلم/۲۶۹۱)

۲-شیطان سے پناہ مانگنا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:"**إِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ**" (سورہ فصلت/۳۶) یعنی اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔ بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

پناہ طلبی اور استعاذہ کے الفاظ یہ ہیں:"**أعـوذ بـالـلـه مـن الشيطـان الـرجيم**" غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور جسے غصہ آئے، اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی فرمائی ہے کہ وہ یہ کلمات کہے۔سلیمان بن صرف کہتے ہیں کہ دو لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گالی گلوچ کی۔ ہم آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ایک دوسرے کو غصہ میں گالی دے رہا تھا اور اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ یہ دیکھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:"**انـي لأعلم كلمة لوقالها لـذهـب عنه مايد لوقال أعوذ بالله من الشيطان الرجيم.....**" یعنی مجھے ایک کلمہ معلوم ہے کہ اگر وہ اس کلمہ کو کہہ دے تو اس کی یہ کیفیت زائل ہوجائے گی۔ اگر وہ "**أعـوذبـالـلـه من الشيطـان الرجيم**" کہہ دے۔(صحیح بخاری/۶۱۱۵، صحیح

مسلم/۲۶۱۰)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"يأتي الشيطان أحدكم فيقول: من خلق كذا؟ من خلق كذا؟ حتى يقول من خلق ربك؟ فإذا بلغه فليستعذ بالله ولينته" یعنی شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کو کس نے پیدا کیا؟ اسے کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ کہتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب وہ اس حد تک پہنچ جائے تو رب تعالیٰ کی پناہ طلب کرے اور اس سے رک جائے۔(صحیح بخاری/۳۲۷۶،صحیح مسلم/۱۳۴)

۳- شیطان کو جواب دیا جائے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی ایک روایت میں ہے:"فليقل آمنت بالله ورسله" یعنی وہ کہے کہ میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔(صحیح مسلم/۱۳۴)

مزید ایک روایت میں ہے:"فقولوا الله أحد، الله الصمد، لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا أحد ثم ليتفل عن يساره ثلاثا وليستعذ من الشيطان" یعنی وہ کہے: الله أحد، الله الصمد، لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا أحد" اس کے بعد اپنی بائیں طرف تین بار تھوکے اور شیطان سے پناہ چاہے۔(سنن ابوداود/۴۷۲۲،عمل الیوم واللیلۃ للنسائی (۶۶۱)،شیخ البانی نے سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ/۱۱۶ میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

۴- وسوسہ والے مسئلے کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز میں اپنا دھیان لگایا جائے: شیطان کے وسوسوں کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔ شیطان جب ایک وسوسہ میں ناکام ہوتا ہے تو انسان کو دوسرے وسوسے میں الجھانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی یہ چال کسی نہ کسی ناحیہ سے برابر چلتی رہتی ہے۔ اس کے اس فریب سے خود کو بچانے کا سب سے عمدہ طریقہ یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں، اس سے شیطان کے خلاف مدد چاہیں اور پناہ طلب کریں کیونکہ ابتدائی مرحلے میں ہی وسوسہ کو روکنا آسان ہے، چہ جائیکہ ہم اپنے دلوں میں وسوسے کو اپنا بال و پر پھیلانے دیں اور جب دل میں اس کی جڑیں مستحکم ہوجائیں تو پھر اس کے علاج کی طرف پیش رفت کریں۔ اس صورت میں وسوسہ پر کنٹرول پانا اس قدر آسان نہیں ہوگا۔

نیز کہا جاتا ہے کہ خالی دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے۔ انسان فرصت کے لمحات میں اکثر دنیوی امور اور اپنی کمائی وغیرہ کے تعلق سے سوچتا ہے یا پھر وسوسوں کا شکار ہوکر اپنا وقت ضائع کرتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ جب بھی ہم فرصت میں ہوں تو ہم اسلامی احکامات، ایمان افروز باتیں، اللہ کی محبت، اس سے توبہ، توکل اور خشیت سے اپنے دل کو معمور رکھیں اور کبھی بھی گندے خیالات اور برے افکار کو اپنے دماغ میں جگہ نہ پانے دیں، اس طرح ہم وسوسوں پر قابو پاسکتے ہیں اور اس کی بیخ کنی کرسکتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "وَلْيَنْتَهِ" کہہ کر اسی بات کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔

۵- علمائے کرام سے رہنمائی حاصل کی جائے: وسوسے اگر آتے ہیں تو عقلمندی اس بات میں ہے کہ ہم وسوسے کے شکار ہوکر غلط فکر و خیال میں نہ پڑیں بلکہ اس وسوسہ سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں۔ اگر ہمیں اس سے بچنے کی کوئی صورت یا سبیل نہیں دکھائی دے رہی ہے تو پھر ہمیں اہل علم سے اس تعلق سے استفسار کرنا چاہئے کیونکہ کہتے ہیں: شفاء العي السؤال یعنی گونگے پن کا علاج سوال ہے۔ نیز اللہ کا فرمان ہے:"فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (سورۃ النحل/۴۳) یعنی پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں ہم پڑھتے ہیں کہ انہیں بھی عقائد کے باب میں خطرناک قسم کے وسوسے ہوئے لیکن انہوں نے فوراً اپنے سوالات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا اور اس کے بارے میں استفسار کیا۔ اللہ کے پیارے رسول جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کی کامل رہنمائی فرمائی اور انہیں وسوسوں سے بچنے کا علاج بھی بتایا۔

ہم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث میں دیکھا کہ صحابہ کرام نے کہا کہ ہمارے دل میں اس قدر سنگین خیالات پیدا ہوتے ہیں کہ انہیں زبان سے ادا کرنے کو ہم بہت خراب تصور کرتے ہیں......(صحیح مسلم/۱۳۲)

نیز عبادات کے باب میں ہونے والے وسوسے کے بارے میں بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ انسان کو نماز میں وسوسہ ہوتا ہے۔ کیا اس سے اس کی نماز ختم ہوجائے گی؟ اس نے کہا: نہیں، حتی کہ وہ آواز سن لے یا بدبو محسوس کرلے۔(صحیح بخاری/۲۰۵۶،صحیح مسلم/۳۶۱)

سابقہ سطور کا خلاصہ یہ ہے کہ عقائد کے باب میں ہمارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو ہمیں یہ دعا پڑھنی چاہئے:"آمنت بالله و رسله، الله أحد، الله الصمد، لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا أحد" اس کے بعد بائیں جانب تین بار تھوکنا چاہئے، شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ اس معاملہ میں سوچنے سے رک جانا چاہئے اور آخری بات یہ ہے کہ اہل علم سے دریافت کرنا چاہئے۔

☆☆☆

مولانا عبدالاحد احسن جمیل آل عبدالرحمٰن

اللہ سے رضامندی

ایک انسان جو اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین، محمد (ﷺ) کو اپنا نبی اور قرآن کو اللہ کا کلام اور غیر مخلوق مانتا ہے وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالی اس کے حق میں جو کرتا ہے وہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے، اس لئے وہ ہمیشہ اپنے رب کے ہر فیصلہ سے راضی ہوتا ہے چاہے اسے آسانی حاصل ہو یا پریشانی آئے، چاہے خوشی حاصل ہو یا غم لاحق ہو، وہ ہر حال میں اللہ رب العالمین کا شکر ادا کرتا ہے اور اس کے فیصلہ پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے، اسی لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں قرآن وسنت اور علماء کے اقوال کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ آخر اس رضامندی کی حقیقت کیا ہے اور اللہ کی اصل رضامندی کن لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، اس کے کیا فوائد ہیں وغیرہ۔

رضا مندی کی تعریف : رضامندی کی تعریف کرتے ہوئے علامہ شیخ صالح فوزان حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

رضامندی کہتے ہیں کہ انسان اللہ سے ثواب کی امید میں اپنے معاملات کو اس کے سپرد کردے اور اس سے حسن ظن رکھے۔(دیکھیں: الارشاد الی صحیح الاعتقاد ص:۱۳۷)

رضا مندی کی قسمیں: رضامندی کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ اللہ رب العالمین کے خالق اور مالک ہونے سے رضامندی؛ یہ قسم اللہ رب العالمین کے اسماء وصفات اور اس کی ربوبیت عامہ اور خاصہ سے متعلق ہے، اسی کو نبی کریم ﷺ نے اپنے فرمان میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا: " ذاق طعم الایمان من رضی بالله ربا ... " (دیکھیں: صحیح مسلم: ۳۴) یعنی ایمان کی چاشنی اسے حاصل ہوئی جو اللہ رب العالمین کو اپنا رب مان کر راضی ہو گیا...۔

۲۔ اللہ رب العالمین کے افعال سے رضامندی؛ یہ قسم اللہ رب العالمین کے ثواب اور جزاء سے متعلق ہے۔

۳۔ اللہ رب العالمین کی مقرر کردہ تقدیر سے رضامندی۔

رضا مندی کے درجات : رضامندی کے تین درجات ہیں:

۱۔ عام رضامندی: یعنی اللہ کو رب ماننا اور صرف اسی کی عبادت کرنا اور اس کے علاوہ کسی بھی چیز کی عبادت سے گریز کرنا۔

اور اس درجہ کے حصول کے لئے تین شرطیں ہیں:

الف: پہلی شرط یہ ہے کہ انسان صرف اللہ سے محبت کرتا ہو۔

ب: دوسری شرط یہ ہے کہ انسان صرف اللہ ہی کی تعظیم کرتا ہو۔

ج: تیسری شرط یہ ہے کہ انسان اللہ کا مطیع وفرماں بردار ہو۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ ان شروط کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالی کو اپنا محبوب بنائے اس کی تعظیم کرے اور اس کا مطیع ہو، اور جس انسان کے اندر یہ چیزیں نہ پائی جاتی ہوں وہ متکبر ہے، اور جب انسان اللہ کے علاوہ کسی اور سے محبت کرے اور اس کے ساتھ کسی اور کی تعظیم کرے اور اس کا مطیع تو ہو لیکن اس کی اطاعت میں کسی اور کو شریک کرے تو وہ مشرک ٹھہرا، اور جب انسان ان تمام چیزوں کو صرف اللہ تعالی کے لیے خاص کرے گا تو وہ اللہ کا سچا مومن بندہ ہوا۔ واللہ سبحانہ وتعالی أعلم۔ (مدارج السالکین:۲/۴۷۲)۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی محبت میں، اس کی تعظیم اور اس کی اطاعت میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک اکبر ہے جس سے انسان دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ تو جو شخص سرے سے اللہ سے محبت ہی نہ کرے اس کی تعظیم ہی نہ کرے، اس کی اطاعت کا تصور بھی اسے نہ ہو تو وہ تو بأولی کافر ہے۔

رضامندی کی شرط میں سے یہ نہیں ہے کہ انسان اس چیز کی تکلیف کو محسوس نہ کرے بلکہ وہ تکلیف اسے مایوس نہ کر سکے اور نہ ہی وہ اس تکلیف کو اپنے اوپر مسلط ہونے دے، اسی کو امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں: "ولیس من شرط ((الرضی)) ألا یحس بالألم والمکاره ، بل ألا یعترض علی الحکم ولا یتسخطه" ۔(مدارج السالکین:۲/۴۵۹)۔

۲۔ اللہ رب العالمین سے رضامندی: اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان ہر اس چیز سے راضی ہو جو اللہ رب العالمین نے مقدر کیا ہے۔

اس کو رضامندی کا دوسرا درجہ اس لیے شمار کیا گیا کیوں کہ اس میں بہت سارے کافر بھی مسلمانوں کے ساتھ مشترک ہو سکتے ہیں، لیکن پہلا درجہ صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے۔(دیکھیں: مدارج السالکین:۲/۴۷۳)۔

۳۔ انسان کا اس چیز سے راضی ہونا جس سے اللہ تعالی راضی ہوا اور اس سے ناراض ہونا جس سے اللہ تعالی ناراض ہوا۔

اس درجہ کو وہی شخص پہنچ سکتا ہے جس کے اندر اللہ پر ایمان اور اس کا توکل راسخ ہو۔

رضا مندی کی فضیلت : رضامندی کی فضیلت کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (البینۃ:۸)،

یعنی اللہ تعالی ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے ۔ اللہ رب العالمین کا اپنے بندے سے راضی ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ اللہ سے راضی تھا، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالی نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا:﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ﴾ (التوبۃ:۷۲) یعنی اللہ تعالی کی رضامندی ان ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" وهذا فضل رضا الله تعالى، وهو ثمرة رضا العبد" (دیکھیں: إحیاء علوم الدین: ۵۲۷/۸)، یعنی جنت کا حصول اور اس کی نعمتیں یہ اللہ رب العالمین کے راضی ہونے کا فضل ہے، اور اللہ رب العالمین کا راضی ہونا بندہ کے اللہ سے راضی ہونے کا ثمرہ ہے۔

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالی رضامندی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ (الرحمٰن:۶۰) کیا احسان کا بدلہ احسان کے علاوہ کچھ ہوگا۔ اس آیت میں اللہ تعالی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انسان جیسا کرے گا ویسا پائے گا اگر وہ اللہ سے راضی ہوگا تو اللہ اس سے راضی ہوگا، اگر وہ اللہ کے بارے میں حسن ظن رکھے گا تو اللہ تعالی اس کو بہترین بدلہ دے گا۔ امام غزالی رحمہ اللہ کہتے ہیں:"منتهى الإحسان رضا الله عن عبده، وهو ثواب رضا العبد عن الله تعالى " (دیکھیں: إحیاء علوم الدین: ۵۲۶/۸) یعنی احسان کی انتہاء اللہ کا بندے سے راضی ہوجانا ہے، اور یہ بندے کا اللہ سے راضی ہونے کا ثواب ہے۔

رضامندی کی فضیلت کو واضح کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے بھی بڑے صاف لفظوں میں فرمایا ہے، حضرت أنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بڑا بدلہ بڑے امتحان کے ساتھ ہے، اور بیشک اللہ تعالی جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو انہیں آزماتا ہے، تو جو اپنے رب سے راضی ہوگیا اس کے لیے اللہ رب العالمین کی رضامندی ہے، اور جو کوئی اپنے رب سے ناراض ہوگیا اس سے اس کا رب بھی ناراض ہوگیا۔ (دیکھیں: سنن ترمذی: ۲۳۹۶، سنن ابن ماجہ: ۴۰۳۱، اس حدیث کی سند حسن ہے)۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ اس سلسلہ میں ہے کہ جو بادشاہوں اور امراء کی غلط تمناؤں کو پورا کرنے کے لیے کچھ بھی کرتے ہیں اور ان کے لئے کسی بھی طرح سے مخرج ڈھونڈ لاتے ہیں، (الفوائد، ص:۱۶۱)۔

یہ اور اس طرح کی دوسری بہت ساری آیتیں اور حدیثیں جو رضامندی کی فضیلت پر دال ہیں، جن میں اس بات کی صاف صاف وضاحت موجود ہے کہ جو شخص اللہ تعالی کو اپنا رب مان کر اس کی تقدیر اور اس کے افعال سے راضی ہوگیا اللہ تعالی بھی ضرور اس سے راضی ہوگا۔

اللہ سے رضامندی کے فوائد:

(۱) اللہ سے رضامندی اس کے راضی ہونے کا نتیجہ ہے۔

(۲) جو شخص اللہ سے راضی ہوتا ہے اللہ تعالی اس سے راضی ہوجاتا ہے۔

(۳) جو اللہ کی رضامندی کے لئے لوگوں کی ناراضگی مول لیتا ہے اللہ تعالی اس سے راضی ہوجاتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے راضی کردیتا ہے۔

(۴) جب ایک انسان اللہ سے راضی ہوجاتا ہے تو اللہ تعالی اسے ہر خیر کی توفیق اور ہر شر سے نجات دے دیتا ہے۔

(۵) رضامندی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالی ایسے انسان کو اپنا محبوب بنالیتا ہے۔

(۶) انسان کو چاہے خوشی حاصل ہو یا غم لاحق ہو ہر حال میں وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور اس کی عبادت میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔

(۷) یہ انسان کے شکر گزار ہونے کی علامت ہے، ربیع بن أنس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "علامة حب الله : كثرة ذكره؛ فإنك لا تحب شيئا إلا أكثرت من ذكره؛ وعلامة الدين: الإخلاص لله في السر والعلانية، وعلامة الشكر الرضى بقدر الله والتسليم لقضائه ". (دیکھیں: مدارج السالکین: ۵۲۹/۲)، اللہ سے محبت کی علامت ہے کثرت سے اس کا ذکر کرنا، اس لیے کہ انسان جب کسی سے محبت کرتا ہے تو کثرت سے اس کا ذکر کرتا ہے، اور دین دار ہونے کی علامت ہر حال میں مخلص ہونا ہے، اور شکر گزار ہونے کی علامت اللہ رب العالمین کی تقدیر سے رضامندی اور اس کی حکم کے آگے سر تسلیم خم کردینا ہے۔

(۸) اس سے قلبی بے نیازی (قلبی اطمینان) حاصل ہوتی ہے۔

(۹) اس سے اخلاص وللّٰہیت کی توفیق ملتی ہے۔

(۱۰) انسان دنیا والوں سے کٹ کر اللہ سے جڑ جاتا ہے۔

(۱۱) انسان کو ایمان کی چاشنی اور لذت محسوس ہوتی ہے۔

(۱۲) اللہ تعالی ایسے شخص کی تعریف کرتا ہے جو اس کی تقدیر سے راضی ہوگیا۔

(۱۳) انسان کا اچھے اخلاق کا حامل ہونا، اس لئے کہ اچھا اخلاق یہ رضامندی کی علامت ہے۔

(۱۴) اللہ تعالی ایسے شخص کے گناہوں کو معاف کردیتا ہے۔

(۱۵) انسان کا اپنے رب پر یقین بڑھتا ہے، اور اس کو اللہ رب العالمین پر توکل حاصل ہوتا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: إحیاء علوم الدین أز امام غزالی: ۵۲۵/۸۔۵۹۱، مدارج السالکین: ۴۵۳/۲۔۴۵۹، الفوائد ص: ۱۵۹۔۱۶۱، أز امام ابن قیم جوزیہ، الایمان بالقضاء والقدر، ص: ۹۴۔۹۵، أز ڈاکٹر: محمد الحمد)۔

اللہ سے رضامندی کی علامت: اللہ رضامندی کی علامت میں سے انسان کا خوش حال رہنا، ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا اور اچھے اخلاق کا حامل ہونا ہے۔

ایسے ہی دوسروں سے خوش اخلاقی سے ملنا اور اس پر اللہ کی نعمت دیکھ کر اپنی تنگی پر ملامت وافسوس نہ کرنا بھی اللہ سے رضامندی کی علامت ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۲۵ پر)

گاؤں محلّہ میں صباحی ومسائی مکاتب قائم کیجیے

اور مکاتب میں تجوید وتعلیم قرآن کریم کا اہتمام کیجئے!

حضرات! قرآن کریم بنونوع انسان وجنان کے نام اللہ رب العالمین کا آخری پیغام ہے۔ جو نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا، جو ہدایت کا سرچشمہ، عبرت وموعظت کا ذریعہ اور دین وشریعت اور توحید ورسالت کا اولین مرجع ومصدر ہے، جس کا حرف حرف علم وعرفان اور حکمت وموعظمت کے موتیوں سے لبریز ہے، جس کی تعلیم وتعلم اور تلاوت باعث ثواب اور جس پر عمل فوز وفلاح اور سعادت دارین کا سبب اور ضمانت ہے اور قوموں کی عزت وذلت اور عروج وزوال اسی سے مربوط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اول یوم سے اس کی تلاوت وقرأت اور اس پر عمل کا خصوصی اہتمام کیا، حفظ وتجوید وتفسیر قرآن کے مکاتب ومدارس قائم کئے اور سوسائٹی میں اس کی تعلیم واتباع کو خصوصیت کے ساتھ رواج دیا۔ نتیجتاً وہ اس اہتمام بالقرآن کی برکت سے ہر میدان میں اوج کمال تک پہنچے۔ لیکن بعد کے ادوار میں یہ روشن روایت دن بدن کمزور پڑتی گئی۔ خود برصغیر میں تعلیم وتفسیر قرآن کریم تو کجا تجوید وقرأت کا عرصہ تک کما حقہ اور مضبوط انتظام نہ ہوسکا اور نہ اس پر خصوصی توجہ مبذول کی گئی۔ حالانکہ تعلیم وتعلم قرآن میں علم تاویل وتفسیر اور غوروفکر کے ساتھ ساتھ تجوید بھی مقصود تھا اور ہمارے نبی کریم محمد ﷺ نے اس کی بڑی تاکید بھی فرمائی تھی۔

مقام شکر ہے کہ چند دہائی قبل مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سمیت مختلف جہات سے تعلیمی بیداری مہم کے نتیجے میں مدارس وجامعات اور مکاتب ومساجد میں تجوید قرآن کریم کا مبارک سلسلہ شروع ہوا تھا جس کے ملکی سطح پر بہترین ثمرات سامنے آئے۔ پورے ملک میں مکاتب بڑے پیمانے پر قائم ہوئے اور بہت سی بستیوں میں مکتب کی تعلیم کے زیر اثر بچوں کی ذہنی طور پر نشو ونما ہونے لگی۔ لیکن روز بروز بدلتے حالات کے پیش نظر عصری تعلیم گاہوں اور کنونٹس اور گاؤں میں مدارس کی وجہ سے مکاتب بہت متاثر ہوئے۔ لہٰذا مکاتب کو بڑے اور عمدہ پیمانے پر پروان چڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ نئی نسل کو دین کی بنیادی باتوں اور قرآن کریم سے روشناس کرایا جاسکے۔

لہٰذا آپ حضرات سے دردمندانہ گزارش ہے کہ اس حوالے سے خصوصی توجہ مبذول کریں اور اپنے گاؤں اور محلوں میں صباحی ومسائی مکاتب کے قیام کو یقینی بنائیں، اگر قائم ہیں تو ان کی سرگرمی وفعالیت میں بہتری لائیں، قدیم نظام کا احیاء کریں، ان میں تجوید وتعلیم قرآن کا خصوصی اہتمام کریں تاکہ جماعت وملت کے نونہالوں کو دین واخلاق سے آراستہ کرسکیں اور انھیں دین وعقیدہ پر قائم رکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک ہوکر دین حنیف، جماعت وجمعیت اور قوم وملت کی مخلصانہ خدمت انجام دینے کی توفیق بخشے، ہر طرح کے فتنے اور آزمائش سے محفوظ رکھے اور عالمی مہلک وبا کورونا وغیرہ سے سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

اپیل کنندگان

اصغر علی امام مہدی سلفی

امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند و دیگر ذمہ داران

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ہم شکل خوش نصیب حضرات

مولانا فاروق عبداللہ نراین پوری
پی ایچ ڈی ریسرچ، شعبہ فقہ السنہ، جامعہ اسلامیہ، مدینہ طیبہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اورآپ کی سیرت کو بالتفصیل بیان کیا ہے وہیں انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کو بھی بہت ہی باریک بینی اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ بہت سارے محدثین نے ''شمائل النبی'' کے عنوان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک اور عادات واخلاق پر دلالت کرنے والی احادیث کو مستقل کتابوں میں جمع کیا ہے۔ ان میں سے سب سے مشہور کتاب امام ترمذی رحمہ اللہ کی ''الشمائل المحمدیہ'' ہے۔

اسی طرح ہمارے علمائے کرام نے ان خوش نصیب حضرات کے حالات بھی قلمبند کئے ہیں جن کی شکل وصورت پیارے نبی ﷺ سے ملتی جلتی تھی، یعنی جو آپ کے ہم شکل تھے۔

اگر ہم اپنے گرد وپیش کا جائزہ لیں تو پائیں گے کہ بہت سارے حضرات عادات واطوار اور وضع قطع میں اپنے محبوب اداکار، کھلاڑی، سیاستداں وعلما کی مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اوراسے اپنی خوش نصیبی سمجھتے ہیں۔ تصور کریں اگرکسی کی شکل وصورت کسی عام شخص سے نہیں بلکہ بنی آدم کے سردار پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی جلتی ہو تو وہ کتنا خوش نصیب ہوگا! یقیناً یہ ایک ایسی خوش نصیبی ہے جو قسمت والوں کو نصیب ہوئی ہے۔ اگر آپ اسلامی تاریخ اور شروحات حدیث کا مطالعہ کریں تو بہت سارے ایسے نام آپ کو ملیں گے جن کے بارے میں علما نے یہ صراحت کی ہے کہ ان کی شکل وصورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی تھی۔ اس مضمون میں اُنہی بعض خوش نصیب حضرات کے متعلق مختصر معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ان کے اسمائے گرامی ہیں:

1- ابراھیم رضی اللہ عنہ بن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: **نعم مات وھو صغير أشبه الناس به صلى الله عليه وسلم، ولو قضى أن يكون بعده نبي لعاش ابنه ابراهيم صلى الله عليه وسلم.**

(ہاں، صغرسنی میں ہی ان کی وفات ہوگئی تھی۔ اللہ کے رسول سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے تھے۔ اگر آپ کے بعد کوئی نبی ہوتا تو آپ کا بیٹا ابراہیم ضرور زندہ رہتا۔) [المعجم الاوسط، (6/368)، حدیث نمبر (6638)، تاریخ دمشق، (3/135)۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (10/578) میں کہا ہے کہ اسے ابوبکر اسماعیلی اور ابن مندہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ابوبکر اسماعیلی کی مستخرج مطبوع نہیں، اور ابن مندہ کے یہاں مجھے یہ روایت مسنداً نہیں ملی۔]

علامہ ہیثمی اس کی سند کے متعلق فرماتے ہیں: **رواه الطبراني في الأوسط، ورجاله رجال الصحيح، غير عبيد بن جناد الحلبي، وهو ثقة** (اسے امام طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے، اوراس کے رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں سوائے عبید بن جناد کے، اور وہ ثقہ ہیں۔)

اس میں محل شاہد ابراہیم رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشابہ قرار دینا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اور دوسرے علما نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ ان کی شکل وصورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھی۔ [فتح الباری (7/507)، سبل الہدی والرشاد للصالحی الشامی۔ 2/115)]

2- نواسہ رسول حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' (حدیث نمبر 3750) میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث روایت کی ہے، فرماتے ہیں: **رأيت أبا بكر رضي الله عنه وحمل الحسن وهو يقول: بأبي شبيه بالنبي، ليس شبيه بعلي وعلي يضحك.**

(میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھائے ہوئے ہیں اور فرمارہے ہیں: میرے باپ ان پر فدا ہوں، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہیں، علی کے نہیں، اور علی رضی اللہ عنہ مسکرارہے تھے۔)

اسی طرح انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: **لم يكن أحد أشبه بالنبي صلى الله عليه وسلم من الحسن بن علي** (حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ اور کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں تھا۔) [صحیح بخاری، حدیث نمبر 3752]

3- نواسہ رسول حسین بن علی بن ابی طالب

رضــی الـلـه عـنـه : امام بخاری رحمہ اللہ نے ہی اپنی ''صحیح'' (حدیث نمبر 3748) میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں: **أتــي عبیدالله بن زیاد برأس الحسین علیه السلام، فجعل فی طست فجعل ینکت، وقال فی حسنه شیئا، فقال أنس: کان أشبههم برسول الله صلی الله علیه وسلم.**

(جب حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک عبید اللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا اور ایک طشت میں رکھ دیا گیا تو وہ اس پر لکڑی سے مارنے لگا اور آپ کے حسن اور خوبصورتی کے بارے میں بھی کچھ کہا۔ اس پر انس رضی اللہ عنہ نے کہا: حسین رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے تھے۔)

اگر انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ دونوں احادیث پر غور کریں تو بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ دونوں نواسوں کے متعلق انھوں نے اسم تفضیل کا صیغہ استعمال کیا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (7/96-97) میں ان دونوں روایتوں کے مابین یہ تطبیق دی ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی میں تھا۔ حسن رضی اللہ عنہ کی مشابہت حسین رضی اللہ عنہ سے زیادہ تھی۔ لیکن ان کی وفات کے بعد حسین رضی اللہ عنہ ہی سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے تھے۔

ایک دوسری تطبیق یہ دی گئی ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی مشابہت بعض اعضا میں زیادہ تھی اور حسین رضی اللہ عنہ کی بعض دوسرے اعضا میں۔ اس کے لئے بطور دلیل علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول پیش کیا جاتا ہے:

الحسن أشبه برسول الله صلی الله علیه وسلم مابین الصدر الی الرأس، والحسین أشبه برسول الله صلی الله علیه وسلم ما کان أسفل من ذلک. (سر سے لے کر سینے تک حسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہت رکھنے والے تھے۔ اور باقی نیچے کے حصے میں حسین زیادہ مشابہت رکھنے والے تھے۔) [جامع ترمذی (5/660) حدیث نمبر (3779)، مسند احمد (2/212) حدیث نمبر (854)، صحیح ابن حبان (15/430) حدیث نمبر (6974)]

لیکن اس کی سند متکلم فیہ ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''التعلیقات الحسان علی صحیح ابن حبان'' (10/97) حدیث نمبر (6935) میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی تائید ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے جسے امام اسماعیلی نے روایت کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں: **کان أشبههم وجها بالنبی صلی الله علیه وسلم.** [فتح الباری، 7/97]

(حسن رضی اللہ عنہ چہرے کے اعتبار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہت رکھنے والے تھے۔)

امام اسماعیلی کی مستخرج مطبوع نہیں ہے، اس لئے اس کی سند کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے۔

4- جعفر الطیار بن ابی طالب رضی الله عنه

آپ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے تھے۔ [دیکھیں: معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، 2/511]

جنگ موتہ میں اکتالیس سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ [الاستیعاب لابن عبد البر، 1/245]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کے متعلق فرمایا ہے: **أشبهت خلقی وخلقی** (تم صورت اور عادات واخلاق سب میں مجھ سے مشابہ ہو۔) [صحیح بخاری، حدیث نمبر 2699]

''خَلقی'' کی تشریح کرتے ہوئے علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **أما الخلق فالمراد به الصورة، فقد شارکه فیها جماعة ممن رأی النبی صلی الله علیه وسلم.** (خَلق سے مراد شکل وصورت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وصورت کی مشابہت رکھنے والی صحابہ کی ایک جماعت ہے۔) [تحفۃ الاحوذی، 10/178]

اور ''خُلق'' سے مراد عادت واخلاق ہے۔ یہ جعفر رضی اللہ عنہ کے لئے بہت بڑی منقبت اور فضیلت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق خود اللہ تعالی نے فرمایا ہے: وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم (اور بے شک آپ بہت اونچے اخلاق پر فائز ہیں۔) [فتح الباری، 7/507]

5- عبد الله بن جعفر بن ابی طالب رضی الله عنه

ان کے متعلق بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **وأما عبدالله فشبیه خلقی وخلقی.** (عبداللہ شکل وصورت اور عادات واخلاق میں میرے مشابہ ہیں۔)

امام احمد نے اپنی مسند (3/279، حدیث نمبر 1750) میں بسند صحیح اسے روایت کیا ہے۔

6- عون بن جعفر بن ابی طالب رضی الله عنه

ان کے متعلق بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **وأما عون فشبیه خلقی وخلقی.** (عون شکل وصورت اور عادات واخلاق میں میرے مشابہ ہیں۔)

امام طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' (2/105، حدیث نمبر 1461)، اور ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ (4/2230، حدیث نمبر 5548) میں بسند صحیح اسے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (7/507) میں ان کے متعلق کہا ہے کہ

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے۔

ابو العباس احمد شہاب الدین الرملی الدمشقی نے بھی اپنے قصیدے میں ان لوگوں کی فہرست میں ان کا نام ذکر کیا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح دکھتے تھے۔ [دیکھیں: سبل الہدی والرشاد للصالحی الشامی، 2/115]

7– قثم بن عباس بن عبد المطلب رضی الله عنه

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے ساتھ سب سے آخر تک رہنے کا شرف آپ کو حاصل ہے۔ جو صحابہ کرام تدفین کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں اترے تھے ان میں سب سے آخر میں نکلنے والے آپ ہی تھے۔ [دیکھیں: الاستیعاب لابن عبدالبر، 3/1304]

بہت سارے علمانے آپ کی سوانح میں ذکر کیا ہے کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے۔ [دیکھیں: طبقات ابن سعد، 7/367، الاستیعاب لابن عبدالبر، 3/1304، تہذیب الاسماء واللغات للنووی، 2/59، وفیات الاعیان، 6/351، تہذیب الکمال، 23/538، سیر اعلام النبلاء، 1/203]

8– ابو سفيان بن حارث بن عبد المطلب رضی الله عنه

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ بلکہ رضاعی بھائی بھی ہیں۔ حلیمہ سعد یہ دونوں کی رضاعی ماں ہیں۔ بہت سارے علمانے ان کی سوانح میں ذکر کیا ہے کہ ان کی شکل وصورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی تھی۔ [دیکھیں: الاستیعاب لابن عبدالبر، 4/1674، تہذیب الاسماء واللغات للنووی، 2/239، وفیات الاعیان، 6/351، سیر اعلام النبلاء، 1/203]

9– سائب بن عبيد بن عبد يزيدبن هاشم بن المطلب بن عبد مناف رضی الله عنه

9– سائب بن عبيد بن عبد يزيدبن هاشم بن المطلب بن عبد مناف رضی الله عنه: یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے جد امجد ہیں۔ غزوہ بدر میں مشرکین کی طرف سے شریک ہوئے تھے۔ بنی ہاشم کا جھنڈا ان ہی کے ہاتھ تھا۔ جنگ کے بعد قید کر لئے گئے۔ فدیہ دے کر اپنی جان چھڑائی۔ پھر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

بہت سارے علمانے ذکر کیا ہے کہ یہ دکھنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تھے۔ [دیکھیں: تاریخ ابن ابی خیثمہ، 1/227، الاستیعاب لابن عبد البر، 4/1674، تاریخ دمشق، 51/274، اسد الغابہ، 2/396، وفیات الاعیان، 6/351]

10– عبد الله بن عامر بن كريز بن ربيعه بن حبيب بن عبد شمس بن عبد مناف القرشی العبشمی رضی الله عنه

علامہ ابن الاثیر الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ماموں زاد بھائی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زندگی میں ان کی پیدائش ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے گئے، اور شرف صحابیت سے سرفراز ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھ کر فرمایا: هذا يشبهنا (ان کی شکل وصورت ہم سے ملتی ہے۔) [اسد الغابہ، 3/289]

دوسرے علمانے بھی کہا ہے کہ ان کی شکل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی تھی۔ [دیکھیں: الاستیعاب لابن عبد البر، 3/931، الوافی بالوفیات للصفدی، 17/120، الاصابہ لابن حجر، 5/14، التحفۃ اللطیفہ للسخاوی، 2/45]

11– مسلم بن معتب بن ابی لهب رضی الله عنه

بلاذری نے ''انساب الاشراف'' (4/309) میں انھیں صحابہ کرام میں سے شمار کیا ہے۔ ان کے علاوہ کہیں مجھے ان کا سوانح نہیں ملی۔

بلاذری، ابوجعفر بن حبیب اور سخاوی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکلوں میں ان کا ذکر کیا ہے۔ [انساب الاشراف (4/309)، المحبر لابی جعفر بن حبیب (ص46)، استجلاب ارتقاء الغرف للسخاوی (2/551)]

اس ضمن میں بعض علمانے فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن شاید ان کی مشابہت شکل وصورت میں نہیں، عادات واخلاق میں تھی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اسی بات پر دلالت کرتی ہے۔ فرماتی ہیں: **ما رأيت أحدا من الناس كان أشبه بالنبی صلى الله عليه وسلم كلاما ولا حديثا ولا جلسة من فاطمة** (بات چیت اور بیٹھنے کے اعتبار سے میں نے فاطمہ سے زیادہ کسی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں دیکھا۔) [الادب المفرد للبخاری، ص326، حدیث نمبر 947، وغیرہ۔ علامہ البانی نے الادب المفرد کی تخریج میں اسے صحیح کہا ہے۔]

ان کی شکل وصورت کے ساتھ مشابہت کے متعلق بھی ایک حدیث وارد ہے جسے امام حاکم نے اپنی ''مستدرک'' (3/176، حدیث نمبر 4759) میں روایت کیا ہے۔ لیکن حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''تلخیص المستدرک'' میں اسے موضوع یعنی من گھڑت قرار دیا ہے۔

اسی طرح مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بارے معاصرین کے یہاں یہ مشہور ہے کہ وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے۔ بعض معاصر سیرت نگاروں نے یہ بیان کیا ہے۔ لیکن جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکلوں پر بحث کی ہے انھوں نے ان کا نام ذکر نہیں کیا ہے۔ مثلا: محمد بن الحسن المقرء، حافظ عراقی، ابن الشحنہ، حافظ ابن حجر، علامہ سخاوی، صالحی شامی وغیرہ۔ انھوں نے ان کا نام ذکر نہیں کیا ہے۔

شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا چہرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہ رہا ہو، صرف جنگی اسلحے پہننے کے بعد جسم کے ڈیل ڈول اور قد وقامت کی وجہ سے آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کی طرح دکھتے ہوں۔ کیونکہ تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس (1/429)، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ (2/414) اور کئی کتابوں میں اس بات کی علما نے صراحت کی ہے کہ جب وہ جنگی اسلحے پہنتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح دکھتے تھے۔

حسین بن محمد الدیار بکری فرماتے ہیں: **وفی المواهب اللدنية قيل كان سبب الهزيمة ان ابن قميئة الحارجي قتل مصعب بن عمير وكان مصعب اذا لبس لأمته يشبه النبى صلى الله عليه وسلم فلما قتله ظنه رسول الله فرجع الى قريش وقال قد قتلت محمدا.**

لہٰذا شاید یہ مشابہت چہرے کے ساتھ نہیں تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اسی طرح عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی شکل وصورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی تھی۔ لیکن یہ صحیح نہیں؛ کیونکہ اس کا دار ومدار ایک موضوع روایت پر ہے جسے ابن عدی نے ''الکامل فی ضعفاء الرجال'' (6/234) میں روایت کیا ہے۔ حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے اسے ''موضوع'' یعنی من گھڑت قرار دیا ہے۔ [میزان الاعتدال، 3/246، فتح الباری، 7/98]

نیز عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا حلیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف بھی تھا۔ [دیکھیں: فتح الباری، 7/98]

اب تک جتنے ناموں کا ذکر ہوا تمام کے تمام صحابہ کرام ہیں، اور سب کا تعلق قریش سے ہے۔ ان کے علاوہ بھی بعض دوسرے حضرات ہیں جن کے متعلق علمائے سیرت وتاریخ نے یہ صراحت کی ہے کہ ان کی شکل وصورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی تھی۔ جن میں سے بعض یہ ہیں:

12- مسلم بن عقیل بن ابی طالب الهاشمی رحمه الله

یہ تابعی ہیں۔ بہت سارے علما نے ان کی سوانح میں ذکر کیا ہے کہ ان کی شکل وصورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی تھی۔ [دیکھیں: التاریخ الکبیر للبخاری، 7/266، الثقات لابن حبان، 5/391، فتح الباری، 7/97]

13- محمد بن عقیل بن ابی طالب الهاشمی رحمه الله

امام مزی نے ''تہذیب الکمال'' (26/130) میں کہا ہے کہ ان کی شکل وصورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تھی۔ اور یہ بڑے نیک تھے۔

14- کابس بن ربیعه بن مالک بن عدی القرشی البصری رحمه الله: یہ بھی تابعی ہیں۔ شکل وصورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تھی۔ اسی وجہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی تکریم کی تھی۔ جب ان کے پاس حاضر ہوئے تو ان کے استقبال کے لئے اپنے تخت سے اتر کر آئے، اور ان کی پیشانی کو چوما۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب انھیں دیکھتے تو بے اختیار رو پڑتے۔ [دیکھیں: المنمق فی اخبار قریش لابی جعفر بن حبیب (ص 425)، انساب الاشراف للبلاذری (11/23)، کشف المشکل لابن الجوزیؒ (1/43)]

15- عبد الله بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبد المطلب رحمه الله: ان کا لقب ''بَبَّہ'' ہے۔ ابوجعفر ابن حبیب اور ابن عبد البر نے کہا ہے کہ ان کی شکل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تھی۔ [المحبر (ص46)، الاستیعاب (3/999)]

ان مذکورہ حضرات کو -سوائے مسلم بن معتب بن ابی لہب کے- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''فتح الباری'' (7/98) میں صرف دو اشعار میں اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ کوئی ان دو اشعار کو یاد کر لے تو آسانی سے ان تمام ناموں کو یاد کر سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

شبه النبى ليه سائب و أبى
سفيان و الحسنين الخال امهما
وجعفر ولداه وابن عامرهم
بس ونجلى عقيل ببه قثما

(پندرہ حضرات ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے: سائب بن یزید، ابو سفیان بن حارث، حسن، حسین، ان کے ماموں یعنی ابراہیم، ان کی ماں یعنی فاطمہ، جعفر طیار، ان کے دونوں بیٹے یعنی عبداللہ وعون، عبداللہ بن عامر بن کریز، کابس بن ربیعہ، عقیل کے دونوں بیٹے یعنی محمد ومسلم، بَبَّہ یعنی عبداللہ بن حارث بن نوفل، اور قثم بن عباس۔)

اس میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی نام ہے، لیکن ابھی اوپر بیان کیا گیا کہ ان کی مشابہت شکل وصورت میں نہیں، عادات واخلاق میں تھی۔

اس شعر میں لفظ ''لیہ'' ''لخمسۃ عشر'' کے معنی میں ہے۔ اس میں حافظ ابن حجر نے ''حساب الجُمَّل'' ابجد ہوز حطی... کا استعمال کیا ہے۔ حساب الجمل میں یاء یہ دس کے مساوی ہے، اور ھاء پانچ کے مساوی۔ دس اور پانچ پندرہ ہوتے ہیں۔

ان خوش نصیب افراد کو اشعار میں ذکر کرنے کا اہتمام دوسرے علما نے بھی کیا ہے۔ مثلا: قاضی ابوالولید ابن الشحنہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وخمس عشر لهم بالمصطفى شبه
سبطاه وابنا عقيل سائب قثم
وجعفر وابنه عبدان مسلم أبو
سفيان كابس عثم ابن النجاد هم

انھوں نے بھی پندرہ حضرات کا تذکرہ کیا ہے لیکن حافظ ابن حجر سے بعض نام

مختلف ہیں۔ انھوں نے ابن النجاد کا ذکر کیا ہے جن کا نام ابو اسماعیل علی بن علی بن نجاد بن رفاعہ الرفاعی البصری الیشکری ہے۔ یہ راہب العرب کے نام سے معروف ہیں، اور روایت حدیث کے باب میں متکلم فیہ ہیں۔ [دیکھیں: التاریخ الکبیر للبخاری (6/288)، تاریخ الاسلام للذہبی (4/464)، والوافی بالوفیات للصفدی (220/21)]

ابن سعد نے ''الطبقات الکبریٰ'' (7/275) میں فضل بن دکین اور عفان بن مسلم سے نقل کیا ہے کہ ان کی شکل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی تھی۔

انھوں نے جو ''مسلم'' کہا ہے اس سے مراد مسلم بن عقیل نہیں ہیں؛ کیونکہ انھوں نے ''ابنا عقیل'' کہا ہے جس میں مسلم بن عقیل شامل ہیں۔ غالبا اس سے مراد مسلم بن معتب بن ابی لہب ہیں جن کا ذکر اوپر صحابہ کرام کی فہرست میں سب سے آخر میں گزرا۔ اس مسلم کا تذکرہ حافظ ابن حجر نے اپنے اشعار میں نہیں کیا ہے۔

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی نے ''سبل الہدی والرشاد'' (2/115) میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے: **معرفة الذين كانت صفات أجسادهم تقرب من صفات جسده صلى الله عليه وسلم** (یعنی ان لوگوں کی شناخت جن کی جسمانی صفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی صفات کے قریب تھیں)۔ اس باب میں انھوں دو طویل قصیدے نقل کئے ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت رکھنے والوں کا تذکرہ ہے۔ پہلا قصیدہ ان کے استاد اور جامع دمشق کے امام ابو العباس احمد شہاب الدین الرملی الدمشقی الشافعی کا ہے، اور دوسرا قصیدہ شمس الدین محمد بن محمد بن محبّ الدین احمد بن احمد القیسی المالکی کا ہے۔

اوپر پندرہ سے زائد خوش نصیبوں کا نام ذکر کیا گیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے۔ اور بھی بعض نام ہیں جن کے متعلق بعض علما نے کہا ہے کہ ان کی شکل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی تھی۔ اختصار کے ساتھ انھیں ذکر کیا جا رہا ہے:

قاسم بن عبد الله محمد بن عقيل رحمه الله [دیکھیں: تاریخ ابن ابی خیثمہ (2/644) و (2/933)، جمہرۃ انساب العرب لابن حزم (ص 69)]

ابراہیم بن عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علی۔ [دیکھیں: تاریخ بغداد (6/559)، العقد الثمین لابی الطیب المکی الفاسی (6/245)، فتح الباری (7/98)]

یحی بن قاسم بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی۔ یحییٰ الشبیہ کے نام سے معروف ہیں۔ [جامع الآثار فی السیر ومولد المختار (4/432)، توضیح المشتبہ (5/381)]

ابراہیم بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب۔ [تاریخ بغداد (6/559)]

یہ تو اس امت کی بات ہوئی۔ اگر امت سے باہر کی بات کی جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وصورت ابراہیم علیہ السلام کی طرح تھی۔ اس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: **أما ابراهيم فانظروا الى صاحبكم** (جہاں تک ابراہیم علیہ السلام کی شکل ہے تو اپنے صاحب یعنی اپنے نبی کو دیکھ لو۔) [صحیح بخاری، حدیث نمبر (5913)، صحیح مسلم، حدیث نمبر (166)]

علامہ سخاوی نے ''استجلاب ارتقاء الغرف بحب أقرباء الرسول وذوی الشرف'' (2/557) میں بیان کیا ہے کہ آدم علیہ السلام کی صورت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تھی۔ پتہ نہیں ان کا دار مدار کیا ہے۔ اللہ اعلم بالصواب۔

اسی طرح مہدی علیہ السلام کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل ہوں گے۔ لیکن شاید یہ شکل کے متعلق نہیں اخلاق وعادات کے متعلق ہے۔ صحیح ابن حبان (حدیث نمبر 6828) کی روایت ہے: **يخرج رجل من أمتي، يواطئ اسمه اسمي، وخلقه خلقي، فيملؤها قسطا وعدلا كما ملئت ظلما وجورا.**

(میری امت میں ایک شخص آئے گا جس کا نام میرے نام پر، اور اس کا اخلاق میرے اخلاق کی طرح ہوگا، وہ عدل وانصاف سے زمین کو بھر دے گا، جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھر دی گئی ہے۔)

لیکن یہ روایت متکلم فیہ ہے۔

ایک روایت میں صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ شکل وصورت میں نہیں صرف اخلاق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوں گے۔ اسے امام ابو داود نے اپنی ''سنن'' (حدیث نمبر 4290) میں روایت کیا ہے۔ لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

علامہ سخاوی فرماتے ہیں: **عده في الاشباه غلط** (ہم شکلوں میں ان کا نام شمار کرنا غلط ہے۔) [استجلاب ارتقاء الغرف للسخاوی، 2/551]

اور بھی بعض ناموں کے متعلق بعض علما نے کہا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے، لیکن دوسرے علما نے ان کی تردید کی ہے، اس لئے انھیں مذکورہ ناموں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

محترم قارئین! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وصورت میں مشابہت اختیار کرنا ہمارے بس میں نہیں، لیکن وضع قطع، رہن سہن، اور دیگر امور میں مشابہت اختیار کرنا بالکل ممکن ہے۔ بلکہ یہ ہم سے مطلوب بھی ہے کہ ہم ہر چیز میں آپ کو اپنا آئیڈیل بنائیں، اور ان کی طرح بننے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالی ہمیں اپنے پیارے نبی کے طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

مولانا ابوالکلام آزاد کا فلسفۂ حیات ''غبار خاطر'' کے آئینے میں

ڈاکٹر محمد طیب شمس، جھارکھنڈ

مولانا ابوالکلام آزاد ہمہ جہت اور عبقری شخصیت کے حامل تھے۔ مولانا بیک وقت مفسر، محقق، مورخ، مقرر، مفکر، متبع کتاب وسنت، مجتہد اور صاحب طرز انشاء پرداز تھے۔ مولانا آزاد کی تحریر کردہ کتابیں اس پر شاہد ہیں۔ غبار خاطر ان کی کتابوں میں ایک منفرد کتاب ہے اور انشائی ادب کی بیش قیمت کتابوں میں شامل ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں متعدد موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے؛ ان میں چائے نوشی، قلعہ احمد نگر، مذہب، موروثی عقائد، تقلید کی وباء، سحر خیزی، خلوت پسندی، خاندان، عادات وخصائل، تعلیم اور مقصد تعلیم، حیات اور فلسفۂ حیات، اللہ کی ذات، وحدۃ الوجود، روح، مادہ، سائنس، فلسفہ، صلیبی حملے کی تاریخ، چائے کی اقسام، تاریخ آتش دان، انانیتی ادب، حکایت زاغ وبلبل، پھولوں کی اقسام، چڑیا چڑے کی کہانی، فن موسیقی، فن شعروادب وغیرہ شامل ہیں۔

ان موضوعات کے برتنے میں بے ساختگی، شگفتگی، روانی اور برجستگی کا لامحالہ اظہار تو ہے ہی، ساتھ ہی ساتھ حیات اور فلسفۂ حیات کے بارے میں مکمل آگہی کے روشن نقوش ہیں اور جلال وجمال کے نادر امتزاج کا نمونہ بھی ہے۔ ان کے بیان میں نزاکت گل بھی ہے اور صلابت سنگ بھی، تخیل بھی ہے اور حقیقت بھی، سنجیدگی بھی ہے اور مزاح پسندی بھی، غم پسندی بھی ہے اور خوش طبعی بھی، فلسفہ بھی ہے اور شعریت بھی، سادہ لوحی بھی ہے اور مرقع نگاری بھی گویا اسلوب کے بدلتے رنگ جادوئی کشش رکھتے ہیں اور ان کا بیان ایسے سرچشموں سے آباد ہے جن سے حیات اور فلسفۂ حیات کے گوشے روشن اور تابناک ہوتے ہیں۔

زندگی اللہ کا دیا ہوا وہ انمول تحفہ ہے جس پر جتنی شکر گزاری کی جائے کم ہے۔ انسانی زندگی کی ابتدا وانتہا پر انسان کا کوئی بس نہیں ہے۔ اور اس کی خوشی اور ناراضگی جیسے امور پر کوئی کنٹرول نہیں ہے، اس لئے جینے کا تہیہ کرنا اور غموں سے نبرد آزما ہو کر ہنسی خوشی زندگی کاٹنا انسان کے لئے سب سے مشکل چیز ہے اور مرجانا سب سے آسان۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''لوگ ہمیشہ اس کھوج میں لگے رہتے ہیں کہ زندگی کو بڑے بڑے کاموں کے لیے کام میں لائیں، لیکن نہیں جانتے کہ یہاں ایک سب سے بڑا کام خود زندگی ہوئی، یعنی زندگی کو ہنسی خوشی کاٹ دینا۔ یہاں اس سے زیادہ سہل کام کوئی نہ ہوا کہ مرجایئے اور اس سے زیادہ مشکل کام کوئی نہ ہوا کہ زندہ رہیے جس نے یہ مشکل حل کر لی، اس نے زندگی کا سب سے بڑا کام انجام دے دیا:

ناصحم گفت کہ جز غم چہ ہنر دارد عشق
گفتم اے خواجۂ عاقل! ہنرے بہتر ازیں؟

(غبار خاطر ص:۳۷ مطبوعہ ساہیتہ اکادمی)

زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے اور کوئی نہ کوئی منزل ہوتی ہے جس کو پانے کے لئے کوششیں کی جاتی ہیں، پھر مقصد اور منزل کے تعین کا مرحلہ آتا ہے۔ یہ عموماً مادہ اور روح پر مبنی ہوتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''اگر کوئی ارادہ اور مقصد پردے کے پیچھے نہیں ہے۔ تو یہاں تاریکی کے سوا اور کچھ نہیں ہے، لیکن ایک ارادہ اور مقصد کام کر رہا ہے، تو پھر جو کچھ بھی ہے، روشنی ہی روشنی ہے۔ ہماری فطرت میں روشنی کی طلب ہے، ہم اندھیرے میں کھوئے جانے کی جگہ روشنی میں چلنے کی طلب رکھتے ہیں۔ اور ہمیں یہاں روشنی کی راہ صرف اسی ایک حل سے مل سکتی ہے۔'' (غبار خاطر ص:۱۱۳)

انسانی زندگی کی فطرت روشنی حاصل کرنا ہے لیکن آخر یہ روشنی کس سے حاصل کرے، کون سے علم کو اپنا ملجا، ماوی اور اپنا آخری ٹھکانہ قرار دے۔ جسمانی روشنی سائنس، فلسفہ اور دیگر علوم وفنون سے حاصل کی جا سکتی ہے لیکن سائنس کا نچوڑ عالم محسوسات کی ثابت شدہ حقیقتوں سے آشنا کرنے کا نام ہے، فلسفہ کیوں اور کیسے پر بحث کرتا ہے جبکہ انسانی زندگی کے پاس دل ودماغ بھی ہوتا ہے اور اس کی تسکین، تطہیر اور تزکیہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو مادی اشیاء کے ساتھ روحانی امور پر بھی منحصر ہے لہٰذا ایسی صورت میں فطرت ہمیں عقیدہ اور ماورائی چیزوں پر بھی ایمان لانے کی تلقین کرتی ہے، مولانا نے ذرا تفصیل سے اس پر یوں روشنی ڈالی ہے:

''سائنس عالم محسوسات کی ثابت شدہ حقیقتوں سے ہمیں آشنا کرتا ہے اور مادی زندگی کی بے رحم جبریت (Physical Determinism) کی خبر دیتا ہے۔ اس لیے عقیدہ کی تسکین اس کے بازار میں بھی نہیں مل سکتی۔ وہ یقین اور امید کے سارے پچھلے چراغ گل کر دے گا، مگر کوئی نیا چراغ روشن نہیں کرے گا۔

پھر اگر ہم زندگی کی ناگواریوں میں سہارے کے لیے نظر اٹھائیں تو کس کی طرف اٹھائیں؟

کون ایسا ہے جسے دست ہو دل سازی میں؟

شیشہ ٹوٹے تو کریں لاکھ ہنر سے پیوند

ہمیں مذہب کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ یہی دیوار ہے جس سے اک دکھتی ہوئی پیٹھ ٹیک لگا سکتی ہے۔

دل شکستہ دراں کوچہ می کنند درست
چنانکہ خود نشناسی کہ از کجا بشکست

...فلسفہ شک کا دروازہ کھول دے گا، اور پھر اسے بند نہیں کر سکے گا۔ سائنس ثبوت دے دے گا، مگر عقیدہ نہیں دے سکے گا۔ لیکن مذہب ہمیں عقیدہ دے دیتا ہے، اگرچہ ثبوت نہیں دیتا اور یہاں زندگی بسر کرنے کے لیے صرف ثابت شدہ حقیقتوں ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ عقیدہ کی بھی ضرورت ہے۔ ہم صرف انہی باتوں پر قناعت نہیں کر سکتے جنہیں ثابت کر سکتے ہیں اور اس لیے مان لیتے ہیں۔ ہمیں کچھ باتیں ایسی بھی چاہئیں جنہیں ثابت نہیں کر سکتے، لیکن مان لینا پڑتا ہے۔

By Faith, and Faith alone embrace
Believing, where we can not prove

(غبار خاطر ص:٣٧، ٣٨)

مذہب سے اس ارفع واعلیٰ ذات کی شناخت ہو سکتی ہے جس پر انسانی زندگی کا محور ہے۔ اس ارفع واعلیٰ ذات کے مثل زمین وآسمان میں کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو انسانی زندگی کا مرکز بن سکے، کیونکہ اس ذات کے علاوہ کسی دوسری ذات میں قرار ہی نہیں ہے۔ بے قراری کے عالم میں چند لمحے کے لئے سکون کا باعث تو بن سکتا ہے لیکن ابدی قرار بہرحال اللہ کی ذات سے ہی وابستہ ہے۔ دیکھیے یہ اقتباس:

''کرۂ ارضی کی موجودات میں جتنی چیزیں ہیں، سب انسان سے نچلے درجے کی ہیں، وہ ان کی طرف نظر نہیں اٹھا سکتا۔ اس کے اوپر اجرام سماوی کی موجودات پھیلی ہوئی ہیں لیکن ان میں بھی کوئی ہستی ایسی نہیں، جو اس کے لیے نصب العین بن سکے۔ وہ سورج کو اپنا نصب العین نہیں بنا سکتا۔ وہ چمکتے ہوئے ستاروں سے عشق نہیں کر سکتا۔ سورج اس کے جسم کو گرمی بخشتا ہے لیکن اس کی مخفی قوتوں کی امنگوں کو گرم نہیں کر سکتا۔ ستارے اس کی اندھیری راتوں میں قندیلیں روشن کر دیتے ہیں لیکن اس کے دل ودماغ کے نہاں خانہ کو روشن نہیں کر سکتے۔ پھر وہ کون سی ہستی ہے جس کی طرف وہ اپنی بلند پروازیوں کے لیے نظر اٹھا سکتا ہے؟''

''...اسے بلندیوں، لامحدود بلندیوں کا ایک بام رفعت چاہیے جس کی طرف وہ برابر دیکھتا رہے، اور جو اسے ہر دم بلند سے بلند تر ہوتے رہنے کا اشارہ کرتا رہے''۔

ترا ز کنگرۂ عرش می زنند صفیر
ندانمت کہ دریں دامگہ چہ افتادست

اسی حقیقت کو ایک جرمن فلسفی ریحل (Riehl) نے ان لفظوں میں ادا کیا تھا:

''انسان تن کر سیدھا کھڑا نہیں رہ سکتا جب تک کوئی ایسی چیز اس کے سامنے موجود نہ ہو، جو خود اس سے بلند تر ہے، وہ کسی بلند چیز کے دیکھنے ہی کے لئے سر اوپر کر سکتا ہے۔''

''بلندی کا یہ نصب العین خدا کی ہستی کے تصور کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اگر یہ بلندی اس کے سامنے سے ہٹ جائے، تو پھر اسے نیچے کی طرف دیکھنے کے لئے جھکنا پڑے گا اور جونہی اس نے نیچے کی طرف دیکھا، انسانیت کی بلندی پستی میں گرنے لگی''

(غبار خاطر ص: ١١٥، ١١٦)

بلندی کی اس عظیم ذات خدا تعالیٰ کو ماننے کے لئے تشبیہ وتمثیل نے سارے دروازے بند کر دیئے البتہ اس ذات مطلق نے صفاتی تشخص کا جامہ پہن لیا۔ وہ ذات قادر مطلق ہے اس کے برابر کوئی نہیں ہے۔ وہ بلندی پر ہونے کے باوجود انسان کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ انسان کے مصائب وپریشانیوں اور ان کی دعاؤں کو سلجھانے اور سننے کی طاقت رکھتا ہے وہ مسیحا ہے اور انسان کے ہر درد کا علاج اس کے پاس ہے۔ ساری کی ساری خوشیاں اس سے ہی وابستہ ہیں، عقیدہ کی اس گتھی کو مولانا نے نہایت سنجیدگی سے سلجھا دیا ہے:

''اسلام نے اپنے عقیدہ کی بنیاد سرتاسر تنزیہہ پر رکھی ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ'' (الشوریٰ:١١) میں تشبیہ کی ایسی عام اور قطعی نفی کر دی کہ ہمارے تصوری تشخص کے لیے کچھ بھی نہیں رہا۔ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ (النحل:٧٤) نے تمثیلوں کے سارے دروازے بند کر دیئے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام:١٠٣) اور لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ (الاعراف:٤٣) نے ادراک حقیقت کی کوئی امید باقی نہ چھوڑی۔

زباں ببند و نظر بازکن کہ منع کلیم
اشارت از ادب آموزی تقاضائی ست

تاہم انسان کے نظارۂ تصور کے لیے اسے بھی صفات کی ایک صورت آرائی کرنی ہی پڑی اور تنزیہہ مطلق نے صفاتی تشخص کا جامہ پہن لیا وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (الاعراف:١٨٠) اور پھر صرف اتنے ہی پر معاملہ نہیں رکا، جا بجا مجازات کے جھروکے بھی کھولنے پڑے۔ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ (المائدہ:٦٤) اور يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح:١٠) اور وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال:١٧) اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہ:٥) اور اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (الفجر:١٤) اور كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ (الرحمٰن:٢٩)

ہر چند ہو مشاہدۂ حق میں گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

اس سے معلوم ہوا کہ بلندی کے ایک نصب العین کی طلب انسان کی فطرت کی طلب ہے اور وہ بغیر کسی ایسے تصور کے پوری نہیں ہوسکتی، جو کسی نہ کسی شکل میں اس کے سامنے آئے اور سامنے جبھی آسکتا ہے کہ اس کے مطلق اور غیر مشخص چہرہ پر کوئی نہ کوئی نقاب تشخص کی پڑ گئی ہو۔

آہ ازاں حوصلۂ تنگ و ازاں حسنِ بلند
کہ دلم را گلہ از حسرتِ دیدار تو نیست
(غبارِ خاطر ص:۱۲۲۔۱۲۳)

خدا کی ذات کی تلاش ہم اپنے ماحول اور خود اپنے نفس کے مطالعہ، مشاہدہ اور غور وفکر کے ذریعہ کر سکتے ہیں۔ انسان کی پیدائش جوانی اور بڑھاپا کی زندگی خود انسان کے لئے عبرت کا سامان ہے اور اپنی ہر سانس میں اپنے خالق کے وجود کی گواہی دیتا ہے، مولانا کے الفاظ میں:

''اور غور کیجئے تو یہ بھی ہمارے وہم وخیال کا ایک فریب ہی ہے کہ سروسامانِ کار ہمیشہ اپنے سے باہر ڈھونڈھتے رہتے ہیں۔ اگر یہ پردۂ فریب ہٹا کر دیکھیں تو صاف نظر آجائے کہ وہ ہم سے باہر نہیں ہے، خود ہمارے اندر ہی موجود ہے۔ عیش ومسرت کی جن گل شگفتگیوں کو ہم چاروں طرف ڈھونڈھتے ہیں اور نہیں پاتے، وہ ہمارے نہاں خانۂ دل کے چمن زاروں میں ہمیشہ کھلتے اور مرجھاتے رہتے ہیں۔ لیکن محرومی ساری یہ ہوئی کہ ہمیں چاروں طرف کی خبر ہے مگر خود اپنی خبر نہیں۔ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلاَ تُبْصِرُوْن (الذاریات:۲۱)

کہیں تجھ کو نہ پایا گرچہ ہم نے اک جہاں ڈھونڈھا
پھر آخر دل ہی میں پایا، بغل ہی میں سے تو نکلا
(غبارِ خاطر ص:۶۸)

خدا کی ہستی کا اگر اقرار نہ کیا جائے تو اس زمین وآسمان کا کوئی معنی نہیں رہ جاتا ہے۔ نیک وبد میں کوئی امتیازی خط نہیں کھینچا جاسکتا ہے، نظامِ گلشن میں نظم وضبط کی کوئی صورت باقی نہیں رہ جاتی ہے اور یوں انسانی زندگی کی نشو ونما کا کوئی ٹھوس فلسفہ نظر نہیں آتا۔ مولانا کی زبانی:

''بارہا مجھے خیال ہوا کہ ہم خدا کی ہستی کا اقرار کرنے پر اس لیے بھی مجبور ہیں کہ اگر نہ کریں تو کارخانۂ ہستی کے معمے کا کوئی حل باقی نہیں رہتا اور ہمارے اندر ایک حل کی طلب ہے جو ہمیں مضطرب رکھتی ہے۔

آں کہ ایں نامۂ سربستہ نوشتہ است نخست
گرہے سخت بہ سر رشتہ، مضموں زدہ است
(غبارِ خاطر ص:۱۰۷)

یہی وجہ ہے کہ مذہب ہماری خدا اور خدا کی مخلوقات سے نزدیکی بڑھاتا ہے ہمیں ہر معمہ کا حل بتاتا ہے، زندگی جینے کا ہنر سکھاتا ہے، جیتے رہنے کی تلقین کرتا ہے اور راحت ومسرت کے ہزار دروازے کھلتے ہیں، مولانا نے مذہب کی اسی ضرورت کی طرف اشارہ کیا ہے:

''بہرحال زندگی کی دشواریوں میں مذہب کی تسکین صرف ایک سلبی تسکین ہی نہیں ہوتی بلکہ ایجابی تسکین ہوتی ہے کیونکہ وہ ہمیں اعمال کے اخلاقی اقدار (Moral Values) کا یقین دلاتا ہے اور یہی یقین ہے جس کی روشنی کسی دوسری جگہ سے نہیں مل سکتی۔ وہ ہمیں بتلاتا ہے کہ زندگی ایک فریضہ ہے، جسے انجام دینا چاہیے۔ ایک بوجھ ہے جسے اٹھانا چاہیے:

جلوۂ کاروانِ ما نیست بہ نالۂ جرس
عشقِ تو راہ می برد، شوقِ تو زاد می دہد
(غبارِ خاطر ص:۴۱)

انسانی زندگی کا المیہ یہ ہے کہ اپنی خاندانی روایت اور تقلیدی عقائد کی جکڑ بندی کی وجہ سے مذہب کی روشن خیالی، اس کی حقیقی روشنی اور مذہب کی فطری تعلیم میں زندگی گزارنا نہیں چاہتا، اس لئے انسان زندگی کی سچائی سے دور، کافی دور چلا جاتا ہے اور روایتی تعلیم بھی اسے مذہب کی کھلی فضا میں سانس لینے کا موقع نہیں دیتی۔ مولانا نے لکھا ہے:

''انسان کی دماغی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی روک، اس کے تقلیدی عقائد ہیں۔ اسے کوئی طاقت اس طرح جکڑ بند نہیں کر دے سکتی، جس طرح تقلیدی عقائد کی زنجیریں کر دیا کرتی ہیں۔ وہ ان زنجیروں کو توڑ نہیں سکتا۔ اس لئے کہ توڑنا چاہتا ہی نہیں۔'' (غبارِ خاطر: ص۱۰۰)

انسان راحت ومسرت کا سامان اپنی زندگی ہی میں ڈھونڈھتا ہے، لیکن انسانی زندگی میں اسے حقیقی تسکین نہیں مل سکتی ہے، اگرچہ اس کے لئے ہزار جتن کیا جائے۔ آسائش زندگی کے تمام ساز وسامان مہیا کر دیئے جائیں لیکن یہ تلاش ناکافی ہی ہوگی جب تک انسانی زندگی کا انت نہ ہوجائے اور اسے موت نہ آجائے، موت ہی انسانی زندگی کے سکون کا پہلا مرحلہ ہے: مولانا کے بیان میں:

''اور پھر غور وفکر کا ایک قدم اور بڑھایئے تو خود ہماری زندگی کی حقیقت بھی حرکت واضطراب کے ایک تسلسل کے سوا اور کیا ہے؟ جس حالت کو ہم سکون سے تعبیر کرتے ہیں، اگر چاہیں تو اسی کو موت سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ موج جب تک مضطرب ہے، زندہ ہے، آسودہ ہوئی اور معدوم ہوئی۔ فارسی کے ایک شاعر نے دو مصرعوں کے اندر سارا فلسفۂ حیات ختم کر دیا تھا:

موجیم کہ آسودگی ما عدم ماست
ما زندہ ازانیم کہ آرام نگیریم
(غبار خاطر ص:۴۵)

انسان کی پیدائش سے لے کر موت کا سفر جو کبھی خوشی اور کبھی غم سے مربوط ہے، کبھی دھوپ تو کبھی چھاؤں پر بسر ہوتی ہے، زندگی گزارنے کے لئے کتنے خاردار کانٹوں سے گزرنا پڑتا ہے، کتنے پہاڑوں کو سر کرنا پڑتا ہے، غموں اور پریشانیوں کا کبھی ایک سلسلہ ہوتا ہے جو حال کی پریشانی سے ماضی کی پریشانی کے مقابلہ میں عجیب اور عظیم سا لگتا ہے اس کے باوجود حیات و موت کا یہ سفر چند لمحوں سے زیادہ ہے۔ مولانا نے اسے نہایت خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے:

''اور اگر حقیقت حال کو اور زیادہ نزدیک ہو کر دیکھیے، تو واقعہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کی پوری مدت ایک صبح شام سے زیادہ نہیں۔ صبح آنکھیں کھلیں، دوپہر امید و بیم میں گذری، رات آئی تو پھر آنکھیں بند تھیں۔ لَمْ يَلْبَثُوٓا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحٰهَا '' (النازعات:۴۶) (غبار خاطر ص:۲۴۹)

بہرحال زندگی خدا کا بیش قیمت تحفہ ہے۔ زندگی کا فریضہ ہے کہ اسے نبھایا جائے اور بہتر ڈھنگ سے نبھایا جائے۔ اس کے لئے ایک عقیدہ کی ضرورت ہے جس کا خلا مذہب دور کرتا ہے، مذہب سے ہی خدا، خدا کے بندوں اور خدا کی تمام مخلوقوں سے رسائی حاصل ہوتی ہے اور مذہب ہی ہمیں ہر حال میں خوش رہنے اور صبر و تحمل کی رہنمائی کرتا ہے۔ مولانا آزاد نے اسے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کیا ہے:

''اگر آپ نے یہاں ہر حال میں خوش رہنے کا ہنر سیکھ لیا ہے، تو یقین کیجئے کہ زندگی کا سب سے بڑا کام سیکھ لیا۔ اب اس کے بعد اس سوال کی گنجائش ہی نہیں رہی کہ آپ نے اور کیا کیا سیکھا؟ خود بھی خوش رہیے اور دوسروں سے کہتے رہیے کہ اپنے چہروں کو غمگین نہ بنائیں۔'' (غبار خاطر ص:۷۳)

مولانا آزاد کا یہ فلسفۂ حیات ٹھوس علم و تحقیق پر مبنی ہے۔ ہر اقتباس کو غور سے مطالعہ کیجئے تو اس میں تخیل اور تعقل کی سحر خیزی کی گئی ہے۔ انہوں نے فلسفۂ حیات کے جن گوشوں کی طرف رہنمائی کی ہے وہ زندگی کا اہم اصول اور اہم فریضہ ہے، اس کے بغیر انسانی زندگی میں حرکت و یقین کے دیے نہیں جلائے جا سکتے۔ انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے جن دعووں پر زور دیا ہے ان سے مماثل کسی شعر یا قرآنی آیت یا حکماء کی رائے کو بھی نقل کیا ہے جس سے قاری کو ان کی دلیل کا قائل ہونا پڑتا ہے اور ان کا یہ اسلوب توازن، استدلال اور ترسیلیت سے قابل شناخت ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

(صفحہ ۱۵ کا بقیہ)

اللہ تعالی آسانی دے تو اس کی حمد و ثنا بیان کرنا، تنگ دستی اور مصیبت کا سامنا ہو تو صبر کرنا اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا اپنا شکوہ صرف اپنے رب سے کرنا، دل کشادہ ہونا، دوسروں کو نعمتوں میں دیکھ کر پیشانی پر بل نہ پڑنا بھی اللہ سے رضا مندی کی علامت ہی ہے، اس کے علاوہ بھی متعدد علامتیں علماء نے اپنی کتابوں میں قرآن و احادیث سے مستنبط کر کے درج کی ہیں۔

سلف کی زندگی میں اللہ سے رضامندی کی بے شمار مثالیں ہیں: چنانچہ لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے کہا تھا: میں تمہیں ایسی چیز کی وصیت کرتا ہوں جو تمہیں اللہ سے قریب اور اس کی ناراضگی سے دور کر دے گی، صرف اللہ کی عبادت کرنا، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا، اور اس کی تقدیر سے راضی رہنا جس چیز کو پسند کرنا اس میں بھی اور جس چیز کو ناپسند کرنا اس میں بھی۔ (دیکھیں: مدارج السالکین:۵۳۲/۲)

اور کسی نے کہا تھا: کہ جس نے اللہ پر بھروسہ کیا، اور اس کی تقدیر سے راضی ہو گیا، اس نے دین کو قائم کر لیا، اور اپنے ہاتھ پیر کو بھلائی کے لیے فارغ کر لیا، اور اخلاق حمیدہ کو قائم کر لیا جس کے ذریعہ انسان کا معاملہ درست ہو جاتا ہے۔ (ایضا:۵۳۳/۲)

اللہ رضا مندی کا اظہار کرتے ہوئے ہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا تھا: کشادگی اور تنگ دستی دو سواری ہیں مجھے اس کی کوئی فکر نہیں کہ میں کس پر سوار ہوتا ہوں، اگر تنگ دستی پر سوار ہوا تو صبر ہے، اور اگر کشادگی پر سوار ہوا تو سخاوت ہے۔ (ایضا:۵۳۴/۲)۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا تھا: مجھے اس کی کوئی فکر نہیں کہ میں کس حال میں صبح و شام کرتا ہوں۔ (ایضا:۵۳۵/۲)۔

ایک دن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی عاتکہ سے ناراض ہو کر کہا کہ میں تجھے تکلیف پہنچاؤں گا، تو عاتکہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کیا آپ مجھے اسلام سے پھیر سکتے ہیں جب کہ اللہ نے مجھے ہدایت دے دی ہے، تو انہوں نے کہا نہیں، تو عاتکہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ تب کس چیز سے آپ مجھے ناراض کریں گے۔

ان کا مطلب یہ تھا کہ وہ تو اپنی تقدیر سے راضی ہیں، اور ان کی نظر میں اسلام سے پھیر دینا ہی انہیں ناراض کرنا یا نقصان پہنچانا تھا، جس کی عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو طاقت نہیں تھی۔ (ایضا:۵۳۵/۲)۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے صبح کی اور میرے لئے خوشی کی چیز مواقع تقدیر کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اس بے شمار مثالیں سلف کی زندگی میں موجود ہیں جن کا بخوف طوالت ذکر کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے انہی باتوں پر اکتفا کرتے ہوئے اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تو ہمیں اپنی تقدیر سے راضی کر دے اور تو ہم سے راضی ہو جا اور ہمیں بھی اپنے آپ سے راضی کر دے، جب تک زندہ رکھ اپنا بندہ بنا کر زندہ رکھ جب موت آئے تو زبان پر تیرے کلمات جاری ہوں۔ آمین۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين وسلم تسليما كثيرا ۔

مولانا فیضان اشرف، مئوناتھ بھنجن یوپی

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا

استاذ محترم حافظ وقاری مولانا نثار احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

۲۶ رفروری ۲۰۲۰ء بروز بدھ تقریبا تین بجے دن فاطمہ ہاسپٹل مئو میں استاذ محترم حافظ وقاری مولانا نثار احمد فیضی جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو اور مرزاہادی پورہ مسجد میں نصف صدی سے زیادہ درس وتدریس اور امامت وخطابت کی مخلصانہ خدمات انجام دینے کے بعد ۸۷سال کی عمر میں اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ اِناللّٰہ وانااِلَیہ راجعون

آپ ایک اچھے عالم دین، کامیاب معلم، پرخلوص داعی وخطیب، مشفق مربی، عالم باعمل، سلف کا نمونہ، حدیث کے استاذ اور زندہ دلی کا پیکر تھے، ہر جگہ آپ کی شخصیت ممتاز اور نمایاں رہی، غرض مولانائے موصوف میں اتنی خوبیاں اور کمالات تھے کہ جن کو ہم محدود سطروں میں پیش کرنے سے قاصر ہیں تاہم چند باتوں کی طرف اشارہ کردینا ضروری ہے ۔

عالم تھا باعمل تھا وہ تقویٰ شعار تھا
اس دور میں سلف کی وہ اک یادگار تھا

نام ونسب: نثار احمد بن حافظ محمد ابراہیم بن حافظ محمد سعید بن بدھو۔ استاذ محترم نے نسب نامہ پوچھنے پر بتایا تھا کہ ''اپنے پردادا سے آگے کا نسب نامہ تو مجھے معلوم نہیں البتہ جو میرے پردادا بدھو تھے شکار کے لئے کہیں جنگل میں گئے تھے اور وہیں غائب ہوگئے دوبارہ پھر واپس نہیں آئے'' مولانا ۲۰رجون ۱۹۴۲ء کو اپنے آبائی مکان مرزاہادی پورہ مئوناتھ بھنجن یوپی میں پیدا ہوئے تھے۔

تعلیم وتربیت: مولانا اپنی تعلیم کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ:

''عہد طفولیت میں والد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا تھا، والدہ محترمہ نے جو، اب وفات کرچکی ہیں (نور اللہ مرقدہا) بہت زیادہ غربت کے باوجود میری تعلیم پر بہت ہی دھیان دیا اور ابتدائی تعلیم کے لئے محلّہ ہی کے ایک انتہائی بزرگ، تہجد گزار ممتاز عالم دین حکیم مولانا سلیمان رحمہ اللہ (جو جامع مسجد اہل حدیث مرزاہادی پورہ میں بچوں کو بطور اعزازی پڑھاتے تھے) کے پاس بیٹھایا، موصوف شیخ الکل فی الکل سید میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ کے تلمیذ رشید تھے، انہی کے پاس اور انہیں کی نگرانی میں رہ کر قرآن مجید، پھر کچھ ابتدائی فارسی اور گلستاں وبوستاں وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، اسی اثناء میں استاذ گرامی نے قرآن کی کچھ سورتیں ساتھیوں سے زبانی یاد کرائی، ساتھیوں کی بنسبت میں کچھ جلدی حفظ کرلیتا تھا، اس زمانہ میں مرحوم مولانا مختار احمد ندوی کلکتہ میں خطیب تھے، جب گھر تشریف لائے تو استاذ محترم رحمہ اللہ نے کہا کہ نثار کی اماں سے کہئے کہ نثار کو حافظ بنادے، مولانا مرحوم میرے پھوپھی زاد بھائی تھے، والدہ تیار ہوگئیں اور میں حفظ قرآن کے لئے مدرسہ میں بزرگ حافظ احمد اللہ رحمہ اللہ کے پاس حفظ کرنے لگا اور اللہ کی توفیق سے تین سال میں حفظ قرآن کی تکمیل سے سرفراز ہوگیا، تکمیل حفظ کے بعد مدرسہ عالیہ مئو ہی میں پرائمری پڑھا اور پھر درجات عربیہ کے لئے جماعت اولیٰ میں داخلہ لیا اور جماعت رابعہ تک اسی مدرسہ عالیہ میں پڑھا، اس کے بعد جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں داخلہ لیا اور وہیں سے ۱۳۸۷ھ موافق ۱۹۶۷ء میں تکمیل وفراغت ہوئی'' (ماخوذ: سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۷ء، مرتب مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی ص:۵۰۵)

قراءت وتجوید کی تعلیم: ''جب تک مدرسہ عالیہ میں (موجودہ جامعہ عالیہ) درجات عربیہ کی تعلیم حاصل کی قاری ظہیر الدین رحمہ اللہ سے تجوید کی مشق کی اور جب جامعہ فیض عام میں حصول تعلیم کے لئے آیا تو استاذ القراء قاری خلیل الرحمٰنؒ کے پاس پڑھ کر بروایت حفص تجوید کی تکمیل کی'' (ماخوذ: سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۷ء، ص:۵۰۵)

اساتذۂ کرام: مولانا نے جن اساتذۂ کرام سے کسب فیض کیا تھا وہ سب پائے کے عالم دین تھے مولانا ممدوح کے جامعہ عالیہ عربیہ مئو اور جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو کے اساتذۂ کرام یہ ہیں:

۱۔حکیم مولانا سلیمان مئوی (متوفی ۱۹۵۹ء) ،۲۔حافظ احمد اللہ، ۳۔مولانا عبدالعلی مظاہری (متوفی ۱۹۶۷ء)، ۴۔مولانا عبدالحکیم فیضی بن مولانا عبد العلی (متوفی ۲۰۰۳ء)، ۵۔مولانا فضل الرحمٰن عمری (۱۹۹۸ء)، ۶۔مولانا محمد الیاس فیضی، ۷۔مولانا اسحاق فیضی، ۸۔قاری عبدالسبحان فیضی، ۹۔قاری خلیل الرحمٰن، ۱۰۔شیخ الحدیث مولانا ومفتی حبیب الرحمٰن فیضی، (متوفی ۱۹۹۶ء) سابق ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو، ۱۱۔مولانا عظیم اللہ مئوی (متوفی ۱۹۹۳ء)، ۱۲۔مولانا محمد جمیل مئوی (متوفی ۱۹۷۲ء)، ۱۳۔استاذ معقولات مولانا ابوعبیدہ عبدالمعید بنارسی (متوفی ۱۹۸۰ء)، ۱۴۔شیخ الحدیث

مولانا شمس الحق سلفی (متوفی ۱۹۸۶ء) سابق شیخ الجامعہ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو، ۱۵۔مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری (متوفی ۲۰۰۶ء) وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

درس وتدریس: اپنے درس و تدریس کے بارے میں مولانا اپنی خود نوشت میں یوں رقم طراز ہیں: ''۱۹۶۷ء میں فراغت کے بعد ایک سال ۱۹۶۸ء میں مسجد اہل حدیث مومن پورہ ممبئی میں رہا، ممبئی کی آب وہوا میرے لئے راس نہیں آئی مئو چلا آیا اور صدیق حمیم مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے برس دن بعد ۱۹۶۹ء میں ناظم صاحب رحمہ اللہ (مولانا محمد احمد علیہ الرحمہ) سے کہہ کر جامعہ اسلامیہ فیض عام میں درجات عربیہ میں بطور مدرس میری تقرری کرادی، اس وقت سے ۲۰۰۳ء میں ریٹائر ہونے تک اور اس کے بعد تا حال ۱۷۔۲۰۱۸ء جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو کا بحیثیت مدرس خادم ہوں''

اس کے علاوہ مولاناؒ ''امہات المؤمنین جامعہ اسلامیہ فیض عام للبنات مئو'' جو جامعہ اسلامیہ فیض عام کے ماتحت ہے طلباء کو پڑھا کر پھر طالبات کو پڑھانے چلے جاتے تھے اس کے شیخ الحدیث آپ ہی تھے۔ بیماری اور کمزوری کے باوجود بھی آپ دونوں مدرسے میں پڑھانے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ گھر ٹائم نہیں گزر پاتا ہے مدرسہ ہی میں سکون ملتا ہے اور وقت کا بھی استعمال ہو جاتا ہے۔

تدریس کا انداز: آپ کے تدریس کا انداز بڑا نرالا تھا چونکہ آپ منجھے ہوئے خطیب تھے اس لئے خطیبانہ انداز ہی میں حدیث پڑھاتے تھے۔

آپ کا معمول تھا کہ ٹھیک وقت پر کلاس میں حاضر ہوتے اور کبھی کسی استاذ کی گھنٹی کا کچھ حصہ بھی نہیں لیتے تھے۔

امامت وخطابت: استاذ محترم مولانا رحمہ اللہ اپنی خود نوشت میں امامت وخطابت سے متعلق رقم طراز ہیں:

''یوں تو مدرسہ عالیہ میں طالب علمی کے دور میں ہی کبھی کبھی کوئی نماز جامع مسجد اہل حدیث مرزاہادی پورہ میں پڑھاتا تھا، اس وقت اس میں جمعہ قائم نہیں ہوا تھا، فراغت کے ایک سال بعد ممبئی سے واپس آنے پر اور جامعہ فیض عام کا مدرس ہونے ہی کے سال میں ۱۹۶۹ء میں اس مسجد میں جمعہ قائم کر دیا گیا، ابتداء میں جمعہ کا خطبہ کبھی میں دیتا کبھی کوئی دوسرا خطیب ہوتا لیکن کچھ ہی دن تک یہ غیر مستقل صورت حال رہی پھر میں ہی مستقل خطبۂ جمعہ دینے لگا اور پنج وقتہ نماز پڑھانے لگا اور اب امامت وخطابت کی پوری ذمہ داری نبھانی پڑتی ہے۔ اور یہ تا حال ۲۰۱۷/۲۰۱۸ء جاری وساری ہے''

(ماخوذ: سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۷ء ص:۵۰۶)

ادھر جب چند مہینوں سے استاذ محترمؒ کی طبیعت بہت زیادہ ناساز رہنے لگی تو مہینہ میں صرف ایک جمعہ کا خطبہ دینے لگے تھے اور صرف سری نماز پڑھاتے تھے۔

اس کے علاوہ عالیہ نگر والی عیدگاہ میں عیدین کے امام آپ ہی تھے، مئو کے دینی واصلاحی پروگراموں میں بھی آپ کا وعظ ہوا کرتا تھا مئو کے باہر بھی بعض دینی اجلاس میں بحیثیت مقرر شریک ہوتے تھے۔

مولانا کے خطبے کا انداز: بارہا آپ کا خطبۂ جمعہ سنا ہوں، آپ کا خطاب مدلل، انداز بیاں سلجھا ہوا، اسلوب عمدہ اور پرکشش تھا آواز بالکل صاف تھی، زبان وبیان میں سلاست اور روانی تھی، ایک بات کو کئی مرتبہ دوہراتے تھے، ایک موضوع پر متعدد خطبے دیئے ہیں اور بے باک ہو کر بولتے تھے حالات کے مطابق خطبہ دیتے تھے، اپنا ہو یا غیر کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور تمہید ایسی باندھتے کہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کس موضوع پر بولیں گے۔

اہم تعلیمی ودعوتی کام: ''دعوت وارشاد کے لئے بھی سفر ہوتا رہتا ہے جس میں اکثر بہار اور آندھراپردیش کے مختلف مقامات کا سفر ہوتا رہتا ہے، نیز یوپی کے بعض مقامات اور مئو کے قرب وجوار میں دعوت وتبلیغ کے لئے سفر کا سلسلہ اب بھی جاری ہے، جامع مسجد اہل حدیث اسلام آباد مئو اور مسجد اہل حدیث مدن پورہ مئو کے قیام وتعمیر میں بھی آپ کی کاوشیں قابل قدر ہیں'' (ماخوذ: سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۷ء ص:۵۰۶)

حجازی (ارم) لائبریری کا قیام: ستمبر ۲۰۰۱ء میں مرزاہادی پورہ عظیم آباد میں ایک لائبریری کا قیام عمل میں آیا تھا اس لائبریری کے محرک استاذ محترم ہی تھے اُس وقت مئو میں نوجوانان ملت جگہ جگہ کلبوں کا قیام عمل میں لا رہے تھے، استاذ محترم نے جمعہ کے خطبے میں ان کلبوں کی سخت مخالفت کی اور لائبریری کے قیام پر زور دیا ان کے خطبے سے متاثر ہو کر عظیم آباد مئو کے چند غیور طلبا نے ''ارم'' لائبریری قائم کیا۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ کی ایک کثیر تعداد ہے اور آپ کے شاگرد اتنے باصلاحیت اور کامیاب ہوئے کہ آج جماعت کا کوئی قابل ذکر ادارہ ایسا نہیں جس میں آپ کے تربیت یافتہ ایک دو فیضی شاگرد مدرس نہ ہوں، چند مشہور تلامذہ کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱۔شیخ ڈاکٹر عبدالباری مدنی (پروفیسر جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض) ۲۔شیخ ظفر الحسن فیضی (داعی سعودی عرب) ۳۔شیخ مقصود الحسن فیضی (ممبئی) ۴۔مولانا محمد مقیم فیضی (سابق نائب ناظم مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) ۵۔مولانا ومفتی عبید الرحمٰن مدنی مئو (متوفی ۲۰۰۶ء) ۶۔مولانا شفیع احمد فیضی (سابق ناظم جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو) ۷۔مولانا عبدالمنان فیضی (ناظم جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو) ۸۔ڈاکٹر لیث محمد مکی ۹۔مولانا شمیم احمد انصاری عمری (شیخ الجامعہ جامعہ محمدیہ کھیدوپورہ مئو) ۱۰۔مولانا اقبال محمدی (سابق ناظم شہری جمعیت اہل حدیث مئو) ۱۱۔مولانا حفاظت اللہ فیضی، سلفی (جھارکھنڈ) مولانا عزیر احمد فیضی، مدنی (سابق پرنسپل جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دہلی) ۱۲۔مولانا عبدالحق اثری (محمد پور مغربی چمپارن، بہار)

استاذ محترم کی زندگی کے معمولات: آپ اسلاف کے طرز پر زندگی بسر کرتے تھے ہر چیز میں اعتدال رکھتے تھے ،حالات کے حساب سے زندگی بسر کرتے تھے۔مغرب کی نماز پڑھا کر گھر لوٹ جاتے اور اپنی بیٹھک میں عشاء تک مطالعہ کرتے تھے ،عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد سیدھے گھر لوٹ جاتے حدیث پر عمل کرتے ہوئے عشاء کی نماز کے بعد نہ لایعنی باتیں کرتے اور نہ سنتے تھے لیکن علمی گفتگو کرلیا کرتے تھے۔

وقت کے اس قدر پابند تھے کہ سونے جاگنے ،اٹھنے بیٹھنے ،کھانے پینے ، مسجد پہونچنے ،درس گاہ میں حاضر ہونے ،تقریر اور خطبہ وقت پر ختم کرنے میں وقت کا مکمل لحاظ کرتے تھے کسی پروگرام وغیرہ میں پہونچنے میں وقت کے پابند تھے۔

وقت برباد کرنے والوں کو
وقت برباد کرکے چھوڑے گا
اس کو حالات ہی نہ چھوڑیں گے
خود کو حالات پر جو چھوڑے گا

زیارت حرمین شریفین: اللہ رب العالمین نے آپ کو تین مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کا موقع نصیب فرمایا دومرتبہ حج بیت اللہ اور یک مرتبہ عمرہ کی سعادت حاصل کی۔

اخلاق وعادات: اخلاق عالیہ وخصائل حمیدہ میں ایک خاص مقام رکھتے تھے، سب سے خندہ پیشانی سے ملتے تبسم ریزی آپ کی پہچان تھی مگر جب کسی کو کوئی خلاف شرع کام دیکھتے تو وہیں اس کو درست کردیتے اور کیا مجال کہ کوئی ان کی باتوں کو ٹھکرادے ۔غریبوں مسکینوں کی مدد کیا کرتے تھے ،اگر کوئی بڑا ضرورت مند آپ کے پاس آتا تو مئو کے مالداروں سے اس کی مدد کروادیتے تھے۔تقویٰ، پرہیز گاری ،شریعت کی پابندی، مہمان نوازی ،ملنساری آپ کی پہچان تھی اور اپنے عالمانہ وفاضلانہ شان کی وجہ سے لوگوں میں بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، ہر کوئی ان کا احترام کرتا۔

علالت اور وفات: آپ کئی برسوں سے شوگر کے مریض تھے ،پچھلے سالوں سے دن بدن صحت گرتی گئی اس کے باوجود تدریسی اور دعوتی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے، بالکل کمزوری کی وجہ سے مدرسہ اور مسجد جانا بند ہوگیا تھا گھر ہی پر رہتے تھے۔ ۲۵رفروری ۲۰۲۰ء منگل کی شام کو طبیعت کی گرانی کے باعث آپ کو فاطمہ ہاسپٹل مئو میں انتہائی نگہداشت والے شعبہ میں ایڈمیٹ کرایا گیا بالآخر ۲۶رفروری ۲۰۲۰ء بروز بدھ موافق یکم رجب ۱۴۴۱ھ فاطمہ ہاسپٹل مئو میں آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ ''انا للّٰہِ وانآ الیہِ رَاجِعُوْنَ''۔

اسی دن آپ کے رفیق درس استاذ محترم مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب فیضی رحفظہ اللہ(سابق شیخ الحدیث وشیخ الجامعہ اسلامیہ فیض عام مئو) نے بعد نماز عشاء ۹ ربجے نماز جنازہ پڑھائی مرزاہادی پورہ (محمود چکی والے کے گھر کے پاس) قبرستان میں سپرد لحد کیا گیا۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ وَعَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ وَأَکْرِمْ نُزُلَہٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَہٗ وَأَدْخِلْہُ الْجَنَّۃَ وَأَعِذْہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ

شادی : استاذ محترم کی پہلی شادی ڈومن پورہ جبہ مئو میں استاذ محترم مولانا مظہر اعظمی (استاذ جامعہ عالیہ عربیہ مئو) کی بہن سے ہوئی تھی، پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد استاذ محترم کی دوسری شادی محلّہ کیاری ٹولہ میں فریدہ خاتون بنت شمس الحق (بڑک ہوٹل والے) سے ہوئی تھی جو مولانا محمد اعظمی رحفظہ اللہ (سابق شیخ الحدیث وشیخ الجامعہ جامعہ عالیہ عربیہ مئو) کی بھانجی اور میری والدہ محترمہ کی پھوپھی زاد بہن ہیں اس حیثیت سے استاذ محترمؒ میرے خالو تھے۔

اولاد: پہلی اہلیہ سے ایک بیٹا اظہار ضیاء اور بیٹی شاہدہ خاتون ہیں ۔دوسری اہلیہ سے چار بیٹیاں اور ایک بیٹا ہیں: نازمین ،یاسمین ،ندیم ضیاء، زینت پروین اور نوشادہ پروین ہیں۔

استاذ محترم کے نام ونسب میں تین پشتوں تک حافظ لگا ہوا ہے قاری صاحب کے بیٹوں میں تو کوئی حافظ یا عالم نہیں ہوا مگر قاری صاحب کی دو بیٹیاں اور تین بھتیجیاں (کلیہ فاطمۃ الزہراء اسلامیہ مئو) سے عالمہ فاضلہ ہیں، چار بھتیجے (جامعہ عالیہ عربیہ مئو) سے عالم فاضل اور ایک حافظ ہیں۔

اس کے علاوہ قاری صاحب کو لے کر بھائیوں کی تعداد پانچ ہے ا۔محمد اسماعیل رحمہ اللہ ۲۔محمد یعقوب (مؤذن جامع مسجد مرزاہادی پورہ مئو) ۳۔حافظ قاری نثار فیضی رحمہ اللہ ۴۔محمد اسحاق ۵۔محمد اسرائیل۔

استاذ محترم کے علاوہ آپ کے بھائی حافظ یا عالم فاضل تو نہیں ہیں مگر دینداری اور اخلاق وکردار کے حامل ہیں۔

رہی بات استاذ محترمؒ کی تحریر کی ، جب میں نے خطبات خطیب پر تاثرات لکھنے کی گزارش کی تو کہنے لگے کہ: ''لکھنا مجھے بڑا بھاری لگتا ہے اور میں نے کچھ لکھا نہیں ہے''، استاذ محترم کی تحریر کا اندازہ آپ کی خود نوشت سوانح حیات سے لگایا جاسکتا ہے جیسا کہ اس مضمون میں جگہ جگہ اس سے اقتباس لیا گیا ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کے گناہوں کو معاف فرمائے، ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے ،ان کی مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو نور سے بھر دے ، ان کی تدریسی خدمات کو ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے ،ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین ثم آمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّکَ أَنتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلیٰ خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْن. ☆☆☆

پندرہ روزہ ترجمان دہلی

مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

رجب کا چاند نظر نہیں آیا

دہلی:۱۲رفروری ۲۰۲۱ء: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مرکزی اہل حدیث رویت ہلال کمیٹی دہلی سے جاری اخباری بیان کے مطابق آج مورخہ ۲۹رجمادی الاخری ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۲رفروری ۲۰۲۱ء بروز جمعہ بعد نماز مغرب بمقام اہل حدیث منزل، جامع مسجد دہلی مرکزی اہل حدیث رویت ہلال کمیٹی دہلی کی ایک اہم میٹنگ منعقد ہوئی اور رویت ہلال ماہ رجب کے سلسلے میں حسب سابق ملک کے اکثر صوبوں کے ذمہ داروں سے بذریعہ فون رابطے کیے گئے لیکن کہیں سے بھی رویت ہلال کی خبر موصول نہیں ہوئی۔ بنابریں مرکزی اہل حدیث رویت ہلال کمیٹی دہلی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کل مورخہ ۱۳رفروری ۲۰۲۱ء بروز ہفتہ جمادی الاخری کی ۳۰رویں تاریخ ہوگی۔ان شاءاللہ

معروف عالم دین ومحقق پروفیسر ڈاکٹر صغیر احمد مدنی صاحب کا انتقال پُر ملال

نئی دہلی:۱۵رفروری ۲۰۲۱ء: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے اتر پردیش کے ضلع بلرام پور کی مردم خیز بستی شنکرنگر کے مشہور عالم دین، جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض سعودی عرب کے پروفیسر، معروف محقق ومصنف، ڈاکٹر ابوحماد صغیر احمد محمد حنیف المدنی صاحب کے سانحۂ ارتحال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے۔ اوران کی موت کو علم وتحقیق اور دراسہ کی دنیا کا بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔

امیر محترم نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے اولین اور ممتاز ترین فارغین میں سے تھے۔آپ نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں اعلی تعلیم حاصل کی۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ سے قبل آپ جامعہ رحمانیہ بنارس میں تدریس پر مامور ہوگئے تھے۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ سے پی ایچ ڈی کرنے کے بعد خود جامعہ اسلامیہ میں ہی کچھ دنوں تک تدریس سے منسلک رہے، پھر یکے بعد دیگرے جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض سعودی عرب اور جامعہ عجمان متحدہ عرب امارات میں بحیثیت پروفیسر مقرر ہوئے۔اس دوران آپ کے ہزاروں تلامذہ نے آپ سے استفادہ کیا۔آپ متعدد علوم وفنون کے ساتھ ساتھ زبان وادب کے بھی ماہر تھے۔حافظہ بے حد قوی تھا۔آپ معلومات کا گنجینہ تھے۔ آپ نے متعدد کتابوں کی تحقیق وتصنیف کی۔آپ بطور خاص حافظ ابن المنذر رحمہ اللہ کی کتابوں کے متخصص مانے جاتے تھے۔آپ نے حافظ ابن المنذر کی الاجماع، الاقناع، **الاشراف علی مذاهب اهل العلم** اورالمبسوط کی تحقیق کی اور نظام **الاسرة فی ضوء الکتاب و السنة** اور **العزة لله ورسوله وللمومنين** وغیرہ کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ڈاکٹر صاحب سے میری متعدد ملاقاتیں تھیں، جن میں علمی موضوعات پر گفتگو ہوتی۔آپ جمعیت کے کاموں کو سراہتے تھے۔اخیر میں بیماری نے ان کو مجبور کر دیا تھا۔آپ شوگر اور ہارٹ کے مریض تھے اور کچھ دنوں قبل ہی امارات سے وطن واپسی ہوئی تھی، تب سے ہی ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھے۔ادھر گردے نے بھی کام کرنا بند کر دیا تھا۔افسوس کہ آج بتاریخ 15 / فروری 2021 بروز سوموار تقریباً صبح دس بجے لکھنؤ کے ایک اسپتال میں دوران علاج بعمر 72 /سال داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ بلاشبہ ان کا انتقال علمی وتحقیقی دنیا اور جماعت وجمعیت کا بڑا خسارہ ہے۔ان کے جنازے کی نماز کل صبح دس بجے آبائی وطن شنکر پور میں ادا کی جائے گی۔ان شاء اللہ۔پسماندگان میں دو اہلیہ اور 14 / لڑکے ،9/لڑکیاں اور متعدد پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں ہیں۔اللہ تعالی انکی مغفرت کرے، دینی وعلمی خدمات کو قبول فرمائے، بشری کوتاہیوں سے درگزر کرے، جنۃ الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور پسماندگان کو صبر وسلوان کی توفیق بخشے۔آمین

پریس ریلیز کے مطابق ڈاکٹر صاحب کے انتقال پہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے دیگر ذمہ داران وکارکنان نے بھی رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اوران کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے دعا گو ہیں۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ہندی آرگن ماہنامہ ''اصلاحِ سماج'' کے ایڈیٹر ایڈووکیٹ احسان الحق صاحب کا سانحۂ ارتحال

نئی دہلی:۲۳رفروری ۲۰۲۱ء: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ہندی آرگن ماہنامہ اصلاح سماج کے ایڈیٹر اور میرٹھ کی معروف علمی وسماجی شخصیت ایڈووکیٹ احسان الحق صاحب کے سانحہ ارتحال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اوران کی موت کو جماعت وملت کا بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔

امیر محترم نے کہا کہ ایڈووکیٹ احسان الحق صاحب نہایت متواضع ،خلیق، متدین، پابند صوم وصلوۃ اور علماء کے صحبت یافتہ تھے۔ایک لمبی مدت تک درس وتدریس سے وابستہ رہے اور دارالحدیث خندق بازار، میرٹھ میں تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔البتہ آپ نے وکالت کی ڈگری حاصل کی تھی جس سے وہ سماج ومعاشرے کو صحیح قانونی مشورہ دیتے تھے اور پیش آمدہ مسائل میں لوگوں کی خیر خواہانہ ومخلصانہ رہنمائی فرماتے تھے۔ایک قانون داں ہونے کی حیثیت سے اور اسلامی مزاج ورجحان رکھنے کی وجہ سے سماج اور سوسائٹی میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔شہر اور علاقے کی معزز انجمنوں اور سوسائٹیوں کے رکن بھی تھے اور بسا اوقات ان کی قیادت بھی فرماتے تھے۔آپ اپنے علاقے کی ممتاز ہاؤسنگ سوسائٹی کے صدر نشین تھے۔نگر نگم میرٹھ میں برسر روزگار تھے۔مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے تئیں جذبۂ خیر رکھتے تھے اور نیک مشورے بھی دیا کرتے تھے۔آپ ماہنامہ اصلاح سماج ہندی کے شروع سے مدیر تھے۔تادم واپسیں اس منصب پر فائز رہے اور اپنی گوناگوں مصروفیتوں کی وجہ سے ادارت کی ذمہ داری کے حوالے سے ذاتی طور پر فعال کردار ادا کرنے سے معذوری کے باوجود اپنے ہر طرح کی نیک اور مخلصانہ مشوروں سے شاد کام فرماتے تھے اور دعاؤں سے بھی نوازتے تھے۔نیز بطور ہمت افزائی کارلائقہ میں یاد کرنے اور مدد لینے کی پیش کش بڑی خوش دلی سے کرتے تھے۔جمعیت اور ماہنامہ اصلاح سماج کے کسی بھی کام کے لئے ہمہ وقت حاضری دینے کے لئے تیار رہتے تھے۔گذشتہ سال ایک تقریب میں اچانک ملاقات ہونے پر اصلاح سماج اور جمعیت کے دیگر آرگن اور اس کی خدمات کو سراہتے ہوئے بڑی ہمت افزائی فرمائی۔ذاتی طور پر بھی اپنے جذبات خیر اور کلمات تحسین آفرین سے میری ہمت افزائی کرتے اور مجھ سے اپنائیت کا اظہار کرتے تھے۔افسوس کہ کل بتاریخ 22/فروری 2021 بروز سوموار تقریبا ساڑھے نو بجے شب بعمر تقریباً 77/سال اچانک حرکت قلب بند ہوجانے کے سبب داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔افسوسناک بات یہ بھی ہے کہ چند روز پہلے ہی آپ کی اہلیہ محترمہ بھی دار بقا کو کوچ کر گئیں۔جس کا بے حد صدمہ بھی آپ کو لاحق تھا۔آج صبح دس بجے میرٹھ کے قدیم تاریخی قبرستان بالے میاں میں تدفین عمل میں آئی۔جنازے کی نماز جماعت کے جید اور جلیل القدر عالم دین، مشہور صاحب قلم وخطیب اور صوبائی جمعیت اہل حدیث مغربی یوپی کے سابق امیر مولانا حافظ سلیمان میرٹھی بن خطیب جماعت مولانا محمد حسین میرٹھیؒ نے پڑھائی۔جس میں شہر وبیرون شہر کی معزز شخصیات کے علاوہ بڑی تعداد میں عوام وخواص نے شرکت کی۔پسماندگان میں دو لڑکے عمر نصیف صاحب اور انس صاحب، پوتے پوتیاں اور بھرا پورا خاندان ہے۔مرحوم کے دونوں صاحبزادگان نہایت خلیق، ملنسار، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اور اس کے ذمہ داران کے بہی خواہ اور قدردان ہیں۔اللہ تعالی انکی مغفرت کرے، دینی وعلمی خدمات کو قبول فرمائے، بشری کوتاہیوں سے درگزر کرے، جنۃ الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، پسماندگان کو صبر وسلوان کی توفیق بخشے اور جمعیت وجماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔آمین

شرائط حصول تصدیق نامہ

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

(۱) وہ طلباء جو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بیرونی جامعات میں داخلے کے خواہش مند ہوں اور انہیں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا توصیہ مطلوب ہو وہ درخواست بنام امیر/ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، تعلیمی اسناد کی مصدقہ فوٹو کاپی دو اساتذہ کا تزکیہ اور صوبائی جمعیت کے امیر/ناظم کا تزکیہ دفتر میں جمع کریں۔مذکورہ معلومات وکاغذات کی روشنی میں غور کرنے کے بعد ہی توصیہ جاری کیا جائے گا۔

(۲) وہ ذمہ داران معاہد ومدارس وجامعات جنہیں حصول تعاون کے لیے مرکزی جمعیت کا توصیہ یا اس کی تجدید مطلوب ہو، درج ذیل شرائط کی تکمیل کے بعد توصیہ حاصل کر سکتے ہیں:

(الف) ادارے کے لیٹر ہیڈ پر توصیہ کے لیے ذمہ دار ادارہ کی جانب سے اصل درخواست بنام امیر/ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔

(ب) متعلقہ صوبائی جمعیت کے امیر/ناظم کا، امیر/ناظم عمومی مرکزی جمعیت کے نام سفارشی خط یا نئی تصدیق جس میں معیار تعلیم، تعداد طلبہ واساتذہ مذکور ہو۔

(ج) جمعیت کے شعبۂ احصائیات برائے مدارس میں اندراج۔

(د) جمعیت کے آرگن پندرہ روزہ ’’جریدہ ترجمان‘‘ (اُردو)، ماہنامہ ’’اصلاح سماج‘‘ (ہندی)، نیز ماہنامہ ’’دی سمپل ٹروتھ‘‘ (انگریزی) کا ادارہ کے نام اجراء اور قدیم خریدار ہونے کی صورت میں اس کے بقایا جات کی ادائیگی۔

(۳) علاوہ ازیں مرکزی جمعیت کی جانب سے سفارشی خطوط حاصل کرنے کے لیے ذمہ داران صوبائی وضلعی جمعیات ومعروف علماء کرام کی نئی تصدیقات کا پیش کیا جانا لازمی ہے۔درخواست دہندہ اپنے دستخط کے ساتھ نام اور عہدہ صاف صاف لکھیں۔کسی بھی قدیم تصدیق کی تجدید یا اس میں حذف واضافہ کے لیے صوبائی جمعیت سے حاصل شدہ نئی اصل تصدیق کا پیش کیا جانا ضروری ہے بصورت دیگر کوئی بھی عذر مقبول نہ ہوگا۔

نوٹ: جو حضرات مرکزی جمعیت کی تصدیق کے خواہاں ہوں وہ کسی بھی قسم کی زحمت سے بچنے کے لئے رمضان سے قبل تصدیق حاصل کرلیں اور بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے رجسٹری ڈاک خرچ نقد نیز جریدہ ترجمان، اصلاح سماج ودی سمپل ٹروتھ کے بقایا جات کی رسید کی فوٹو کاپی ارسال کرنا نہ بھولیں۔

دفتر نظامت عامہ: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

اعلان داخلہ

المعهد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیة

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام اہل حدیث کمپلیکس اوکھلائی دہلی میں قائم اعلیٰ تعلیمی وتربیتی ادارہ ''المعہد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیۃ'' میں نئے تعلیمی کلینڈر (۲۰۲۱-۲۰۲۲) کے مطابق امسال نئے سیشن کے لئے

داخلے جاری ہیں

ملک میں مدارس وجامعات اور تعلیمی اداروں کے کھلتے ہی

'' المعهد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیة'' میں تعلیم شروع ہوجائے گی۔ ان شاءاللہ

شرائط داخلہ:

● امیدوار کسی معتبر سلفی ادارہ سے فارغ التحصیل ہو۔ ● دین کی خدمت اور دعوت کا جذبہ فراواں رکھتا ہو۔ ● آخری سال میں امتیازی نمبرات حاصل کیے ہوں۔ ● فراغت پر دوسال سے زیادہ کی مدت نہ گزری ہو۔ ● جس ادارہ سے فارغ ہو اس سے امیدوار کے حسن السیر ۃ والسلوک پر کم از کم دو اساتذہ کی تصدیق ہو۔ ● اسلامی وضع قطع کا پابند ہو ● الیکشن آئی کارڈ یا آدھار کارڈ یافتہ ہو ● مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی کسی ذیلی جمعیت کی طرف سے سفارش کی گئی ہو۔ ● تحریری وتقریری امتحان میں کامیابی کے بعد ہی داخلہ لیا جائے گا۔ داخلہ کے لیے اصل اسناد پیش کرنا ضروری ہے۔

خصوصیات:

● خوشگوار ماحول میں عمدہ تعلیم۔ ● دعوت وافتاء کی عملی مشق۔ ● مقالات وبحوث لکھنے کی تربیت۔ ● انگریزی اور کمپیوٹر کی تعلیم کا معقول بندوبست ● علیحدہ کشادہ کمپیوٹر لیب ● ماہر اساتذہ کی ایک ٹیم۔ ● وقتاً فوقتاً جدید موضوعات پر ماہرین کے توسیعی خطبات۔ ● ہر طالب علم کو ماہانہ وظیفہ ● بہترین رہائشی انتظامات ● ڈائننگ ہال میں کھانے کا نظم۔ ● مطالعہ کے لیے لائبریری جس میں مصادر ومراجع کی کتابیں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ ● کھیل کود کے لیے وسیع میدان۔

داخلہ کے خواہش مند فضلاء اپنی درخواست مع تصدیقات و نقول اسناد درج ذیل پتہ پر ارسال کریں اور داخلہ امتحان کی تاریخ کا انتظار کریں۔

المعهد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیة

اہل حدیث کمپلیکس، ڈی۔۲۵۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵

فون نمبر:۔ 011-26946205, 23273407، موبائل: 09560841844, 9213172981

شعبۂ تعلیم و تربیت: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

اہل حدیث منزل کی تعمیر و تکمیل میں

محترم و غیور ائمہ، خطباء، متولیان مساجد اور ذمہ داران جمعیات سے پُر زور اپیل اور التماس

اہل حدیث منزل میں چوتھی منزل کی چھت کی ڈھلائی کا کام ہوا چاہتا ہے اور دیگر تینوں منزلوں کی صفائی کی تکمیل کے لیے آپ سے گزارش ہے کہ آنے والے جمعہ میں باضابطہ طور پر اپنی مسجدوں میں اس کے تعاون کے لیے پرزور اعلان فرمائیں اور مندرجہ ذیل کھاتے میں رقم ارسال فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام بنائیں اور اس صدقہ جاریہ میں شریک ہوں۔

تعاون کے طریقے: (۱) سیمنٹ، سریا، روڑی، بدرپور، ریت (۲) نقد رقم (۳) کاریگروں اور مزدوروں کی اجرت کی ادائیگی (۴) کھڑکی، دروازہ، پینٹ، رنگ وروغن کا سامان یا قیمت مہیا کرا کے تعاون فرمائیں اور مال واولاد اور اعمال صالحہ میں برکت پائیں۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind
A/c: 629201058685
ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)
RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292